۳۴ ۔ سبا

نام آیت ۱۵ میں قومِ سبا کا ذکر ہوا ہے اور اس مناسبت سے اس سورۃ کا نام 'سَبا' ہے۔

زمانۂ نزول مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مکہ کے وسطی دور میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون کائنات میں اللہ ہی کی ذات ہے، جو خوبیوں اور کمالات سے متصف ہے، اس لئے شکر اور تعریف کا مستحق وہی ہے۔ اور اللہ کے شکر کی واحد صورت یہ ہے کہ توحید اور آخرت پر ایمان لایا جائے۔

ربطِ کلام آیت ۱ تا ۹ تمہیدی آیات ہیں جن میں شبہات کو دور کرتے ہوئے اللہ کی ایسی معرفت بخشی گئی ہے جس سے توحید اور آخرت کا یقین پیدا ہوجاتا ہے۔

آیت ۱۰ تا ۱۳ میں حضرت داوٗدؑ اور حضرت سلیمانؑ پر اللہ کی نوازشوں اور ان کی شکر گذاری کو ایک تاریخی مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

آیت ۱۴ تا ۲۱ میں عبرت کیلئے قومِ سبا کی ناشکری اور اس کے انجام کو پیش کیا گیا ہے۔

آیت ۲۲ تا ۲۷ میں شرک کی تردید ہے۔

آیت ۲۸ تا ۴۵ میں مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے آخرت کے بعض حقائق ان کے سامنے پیش کئے گئے ہیں۔

آیت ۴۶ تا ۵۴ سورہ کے خاتمہ کی آیات ہیں جن میں غور کرکے فیصلہ کرنے کی دعوت بھی دی گئی ہے اور اس بات سے خبردار بھی کردیا گیا ہے کہ اگر وقت نکل گیا تو پھر ہمیشہ کیلئے پچھتاتے رہیں گے۔

سُورَةُ سَبَإٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ
الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ①

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ
مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ②

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ
لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي
السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا
فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ③

لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ
مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④

وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ
مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ⑤

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ
هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ⑥

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ
اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ⑦

۳۴۔ سُورَۃُ سَبَاءٍ

آیات: ۵۴

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

۱ حمد ۱؎ اللہ ہی کے لئے ہے، جو آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کا مالک ہے اور آخرت میں بھی اسی کیلئے حمد ہے ۲؎ ۔ وہ حکمت والا اور باخبر ہے۔ ۳؎

۲ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے ۴؎ اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے ۵؎ وہ رحم فرمانے والا بخشنے والا ہے۔ ۶؎

۳ انکار کرنے والے کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی ۷؎ ۔ کہو کیسے نہیں آئے گی؟ میرے رب، عالم الغیب کی قسم! وہ تم پر آ کر رہے گی ۸؎ ۔ اس سے ذرہ برابر کوئی چیز نہ آسمانوں میں چھپی ہوئی ہے اور نہ زمین میں، نہ اس سے چھوٹی اور نہ اس سے بڑی۔ مگر یہ کہ وہ ایک واضح کتاب میں درج ہے۔ ۹؎

۴ (قیامت اس لئے آئے گی) تاکہ وہ صلہ دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ ان کیلئے مغفرت اور باعزت رزق ہے۔ ۱۰؎

۵ اور جو لوگ ہماری آیات کو بے اثر کرنے کیلئے سرگرم ہیں ۱۱؎، ان کے لئے بدترین قسم کا دردناک عذاب ہے۔

۶ اور جن کو علم عطا ہوا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ بالکل حق ہے ۱۲؎ ۔ اور اس (ذات) کا راستہ دکھاتا ہے جو غالب اور خوبیوں والا ہے۔

۷ جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہیں ایسا شخص بتائیں، جو تم کو یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ ہو چکے ہو گے، اس وقت تم نئے سرے سے پیدا کئے جاؤ گے ۱۳؎ ۔

۱۔ حمد کی تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ فاتحہ نوٹ ۲۔

۲۔ آخرت میں اللہ کی کرشمہ سازیوں اور اس کے کمالات کا اس سے کہیں زیادہ ظہور ہوگا جو دنیا میں ہو رہا ہے۔ اس لئے وہاں بھی وہی مستحق تعریف ہوگا، اسی کے گن گائے جائیں گے، اہل ایمان انعام سے نوازے جانے پر اسی کا شکر ادا کریں گے اور جنت میں اسی کی حمد کی صدائیں سنائی دیں گی۔

۳۔ یعنی اس نے دنیا اور آخرت کیلئے جو منصوبہ بھی بنایا ہے وہ کمالِ حکمت اور کمالِ علم پر مبنی ہے۔ اس کا کوئی کام بھی علم و حکمت سے خالی نہیں اس لئے وہ اپنے تمام کاموں پر ستائش کا مستحق ہے۔ اگر اس کے کسی کام کی حکمت انسان کی سمجھ میں نہیں آتی تو یہ اس کے فہم کا قصور ہے یا اس بنا پر ہے کہ اس کے عقل کی رسائی اپنی محدودیت کی بنا پر اس کی حکمت تک نہیں ہو سکتی۔

۴۔ زمین میں جو چیز بھی داخل ہوتی ہے وہ بظاہر غائب ہو جاتی ہے لیکن اللہ کے علم میں وہ موجود ہوتی ہے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ پانی کے زمین میں جذب ہونے کے بعد زمین سے کونپلیں نکلنا شروع ہوتی ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو پانی زمین کے اندر چلا گیا تھا وہ اللہ کے علم میں تھا اور اس نے اس پانی کے ذریعہ زمین سے نباتات نکالیں۔ اسی طرح انسان بھی مرنے کے بعد زمین کے اندر چلا جاتا ہے لیکن اس کے تمام اجزاء اللہ کے علم میں ہوتے ہیں اس لئے قیامت کے دن اس کا مُردوں کو ان کے جسموں کے ساتھ زمین سے نکال لینا اور انہیں دوبارہ زندہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔

۵۔ آسمان سے پانی بھی برستا ہے شعاعیں بھی زمین پر گرتی ہیں اور بجلی وغیرہ بھی۔ اسی طرح بخارات سمندر سے اٹھتے ہیں اور فضا میں پہنچ کر قطروں کی شکل میں برستے ہیں۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ بخارات اللہ کے علم میں تھے اور اس نے ان کو بارش کی شکل میں برسایا۔ فرشتے بھی آسمان سے اترتے ہیں اور اس میں چڑھتے ہیں۔ اسی طرح نیک لوگوں کی روحیں آسمان کی طرف پرواز کرتی ہیں۔

۶۔ ان آیتوں میں اللہ کی معرفت عطا کرتے ہوئے اس کے رحیم اور غفور ہونے کی صفتیں بیان کی گئی ہیں، یہ گویا دعوت ہے بندوں کو اس بات کی کہ وہ اللہ کی رحمت اور اس کی مغفرت کی طرف لپکیں۔

۷۔ آج بھی قیامت کا انکار کرنے والوں کی کمی نہیں مگر ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں۔

۸۔ جو لوگ قیامت کا انکار کر رہے تھے ان کے سلسلہ میں نبی ﷺ کو ہدایت کی گئی کہ ان کے دعوے کی تردید اپنے رب عالم الغیب کی قسم کھا کر پورے یقین اور پورے زور کے ساتھ کریں، کیونکہ قیامت ایک اٹل حقیقت ہے اور اس کا علم وحی الٰہی نے یقین کی حد تک بخشا ہے۔

قرآن کے اس بیان کے پیش نظر موجودہ دور کے منکرین کے سامنے بھی قیامت کی خبر کو پورے وثوق کے ساتھ زوردار طریقہ پر پیش کرنا اسلام کی طرف دعوت دینے والوں کی ذمہ داری ہے۔ عالم الغیب کی صفت کے ساتھ قسم کھانے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ قیامت کا تعلق غیب سے ہے اور میرا رب ہی غیب کو جانتا ہے۔ اس لئے اس کی دی ہوئی خبر یقیناً صحیح ہے۔ منکرین نے تو غیب میں جھانک کر دیکھا نہیں، پھر وہ کس بنا پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قیامت کبھی آئے گی ہی نہیں؟

۹۔ یعنی ہر چیز کا ریکاڈ واضح طور سے اللہ کے پاس موجود ہے۔

۱۰۔ یہ قیامت کا مثبت پہلو ہے کہ مؤمنین صالحین کو اچھا صلہ دیا جائے، ان کے قصور معاف کر دیئے جائیں اور انہیں ایسا نفیس رزق دیا جائے جو ان کیلئے باعثِ عزت ہو۔

۱۱۔ اللہ کی آیات کو بے اثر کرنے کیلئے سرگرم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اللہ کے ارشادات کی مخالفت کیلئے کھڑا ہو جائے، مثلاً اللہ کے وجود یا اس کے وحدانیت اور آخرت و رسالت کو غلط قرار دینے کیلئے پورا زور لگائے تاکہ ان عقائد کو لوگ قبول نہ کریں۔

۱۲۔ علم سے مراد وہ علم ہے جو اللہ کی صحیح معرفت عطا کرتا اور اس کی راہ روشن کرتا ہے۔ یہ علم آدمی کو ایک حد تک اپنی فطرت اور عقل سلیم سے حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ نزول قرآن سے پہلے مشرکین مکہ کے درمیان ایسے لوگ موجود تھے جو خدائے واحد ہی کی عبادت کرتے تھے اور ان کا مذہب حنیفیت (اللہ ہی کا ہو کر رہنا) تھا۔لیکن علم کی پوری پوری روشنی وحی الٰہی کے ذریعہ ہی حاصل ہوتی ہے۔

جو لوگ جہالت میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ علم کی روشنی میں خدا، مذہب اور آخرت کے مسئلہ پر غور کرتے ہیں ان کو قرآن کی صداقت وحقانیت کا یقین ہو جاتا ہے۔

۱۳۔ یہ جہالت کی تاریکی میں بھٹکنے والوں کی احمقانہ حرکتیں ہیں کہ وہ پیغمبر کا اور اس کی اس بات کا، کہ وہ دوبارہ زندہ کئے جانے کی خبر دے رہا ہے۔ مذاق اڑاتے ہیں۔

پھر جب ہم نے اس کی موت کا حکم نافذ کیا تو ان کو اس کی
موت سے آگاہ کرنے والی چیز صرف زمین کا کیڑا تھا جو
اس کے عصا کو کھا رہا تھا۔ جب سلیمان گر پڑا تو جنوں پر یہ
بات واضح ہوئی اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی
مصیبت میں پڑے نہ رہتے۔ (القرآن)

اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَمْ بِہٖ جِنَّۃٌ ؕ بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَۃِ فِی الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِیْدِ ﴿۸﴾

۸ اس نے اللہ کے نام سے جھوٹ گھڑا ہے یا اس کو جنون ہو گیا ہے ۱۴؎؟ نہیں جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے وہی عذاب اور دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ ۱۵؎

اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا بَیْنَ اَیْدِیْہِمْ وَمَا خَلْفَہُمْ مِّنَ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِہِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَیْہِمْ کِسَفًا
مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّکُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ﴿۹﴾

۹ کیا انہوں نے اپنے آگے اور پیچھے آسمان و زمین کو نہیں دیکھا۔ ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا آسمان کے کچھ ٹکڑے ان پر گرا دیں ۱۶؎۔ بلاشبہ اس میں بہت بڑی نشانی ہے ہر اس بندے کیلئے جو رجوع ہونے والا ہو۔ ۱۷؎

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَہٗ وَالطَّیْرَ ۚ
وَاَلَنَّا لَہُ الْحَدِیْدَ ﴿۱۰﴾

۱۰ ہم نے داؤد کو اپنے پاس سے فضل عطا کیا تھا ۱۸؎۔ اے پہاڑو! تم بھی اس کے ساتھ تسبیح میں ہم نوا ہو جاؤ اور یہی حکم ہم نے پرندوں کو دیا تھا ۱۹؎۔ اور ہم نے اس کیلئے لوہے کو نرم کر دیا تھا۔ ۲۰؎

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِی السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ
اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱﴾

۱۱ کہ مکمل زرہیں بناؤ اور ان کے حلقے ٹھیک اندازے سے رکھو ۲۱؎۔ اور تم سب نیک عمل کرو ۲۲؎۔ جو کچھ تم لوگ کرتے ہو اس کو میں دیکھ رہا ہوں۔

وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّہَا شَہْرٌ وَّرَوَاحُہَا شَہْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَہٗ
عَیْنَ الْقِطْرِ ؕ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْہِ بِاِذْنِ رَبِّہٖ ؕ وَمَنْ
یَّزِغْ مِنْہُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْہُ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ ﴿۱۲﴾

۱۲ اور ہم نے سلیمان کیلئے ہوا کو مسخر کر دیا۔ اس کا صبح کے وقت چلنا بھی مہینہ بھر (کی مسافت) کا ہوتا اور اس کا شام کے وقت چلنا بھی مہینہ بھر (کی مسافت) کا ہوتا ۲۳؎۔ اور ہم نے اس کیلئے تانبے کا چشمہ بہا دیا ۲۴؎۔ اور ایسے جن اس کیلئے مسخر کر دیئے جو اپنے رب کے حکم سے اس کے آگے کام کرتے ۲۵؎۔ ان میں سے جو ہمارے حکم سے سرتابی کرتا ہم اس کو بھڑکتی آگ کا مزہ چکھاتے۔ ۲۶؎

یَعْمَلُوْنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ وَجِفَانٍ کَالْجَوَابِ
وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا ؕ وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ
الشَّکُوْرُ ﴿۱۳﴾

۱۳ وہ اس کے لئے بناتے تھے جو کچھ وہ چاہتا، عمارتیں ۲۷؎، تصویریں ۲۸؎، لگن ایسے جیسے بڑے بڑے حوض اور اپنی جگہ جمی رہنے والی بھاری دیگیں ۲۹؎۔ اے آلِ داؤد عمل کرو شکر کے ساتھ ۳۰؎۔ اور میرے بندوں میں شکر گذار کم ہی ہیں۔ ۳۱؎

فَلَمَّا قَضَیْنَا عَلَیْہِ الْمَوْتَ مَا دَلَّہُمْ عَلٰی مَوْتِہٖٓ اِلَّا دَآبَّۃُ
الْاَرْضِ تَاْکُلُ مِنْسَاَتَہٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَیَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ کَانُوْا
یَعْلَمُوْنَ الْغَیْبَ مَا لَبِثُوْا فِی الْعَذَابِ الْمُہِیْنِ ﴿۱۴﴾

۱۴ پھر جب ہم نے اس کی موت کا حکم نافذ کیا تو ان کو اس کی موت سے آگاہ کرنے والی چیز صرف زمین کا کیڑا تھا جو اس کے عصا کو کھا رہا تھا۔ جب سلیمان گر پڑا تو جنوں پر یہ بات واضح ہوئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں پڑے نہ رہتے۔ ۳۲؎

۱۴۔ پیغمبر کے بارے میں منکرین کا یہ کہنا کہ اس شخص نے جھوٹ گھڑا ہے یا اسے جنون ہو گیا ہے، اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ محض شک اور وہم کی بنا پر یہ باتیں کہتے تھے۔ اگر ان کو یقین ہوتا تو کوئی ایک بات کہتے۔ دو مختلف باتیں نہ کہتے۔

۱۵۔ منکرین کی یہ باتیں سورج سے آنکھیں بند کر کے اس کا انکار کرنے کے مترادف تھیں اس لئے ان کا جواب دینے کے بجائے ان کے اصل جرم کی نشاندہی کی گئی کہ وہ آخرت کو ماننا ہی نہیں چاہتے اس لئے پیغمبر کے بارے میں ایسی بے تکی باتیں کہتے ہیں۔ مگر انکارِ آخرت کا رویہ اختیار کر کے وہ عذاب کی گرفت میں آ گئے ہیں اور گمراہی میں بہت دور نکل گئے ہیں۔

۱۶۔ یعنی آسمان و زمین کو رات دن اپنے آگے پیچھے دیکھتے رہتے ہیں لیکن کبھی اس بات پر غور کرنے کیلئے آمادہ نہیں ہوتے کہ ان کا خالق اگر چاہے تو اس زمین میں ان کو دھنسا بھی سکتا ہے اور اگر چاہے تو آسمان کے ٹکڑے بھی ان پر گرا سکتا ہے۔ اگر وہ اس طرح سوچتے تو ان کے اندر خدا خوفی پیدا ہوتی۔ پھر نہ وہ آخرت کا انکار کرتے اور نہ مجرم بن کر رہتے۔

۱۷۔ یعنی زمین و آسمان کی عظمت میں اللہ کی قہاریت کی بہت بڑی نشانی موجود ہے، وہ چاہے تو بہت بڑا قہر نازل کر سکتا ہے۔ مگر اس نشانی کی طرف اللہ کے وہی بندے متوجہ ہوتے ہیں جو اس کی طرف رجوع ہونے والے ہوں۔

''منیب'' وہ جو دل سے اللہ کی طرف رجوع ہو۔ انابت کی یہ کیفیت ہدایت کی راہ کھول دیتی ہے۔

۱۸۔ یعنی داؤد کو اللہ نے اپنے خاص فضل سے نوازا تھا۔ اس فضل کی کچھ تفصیل آگے بیان ہوئی ہے، جس سے واضح کرنا یہ مقصود ہے کہ تعریف اور شکر کے لائق اللہ ہی کی ذات ہے جو اپنے خاص بندوں (انبیاء) کو غیر معمولی فضل سے نوازتا رہا ہے۔

۱۹۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ انبیاء نوٹ ۱۰۶۔

۲۰۔ حضرت داؤد کے ہاتھ میں لوہے کا نرم ہو جانا جیسا کہ آیت کے الفاظ اور اندازِ کلام سے واضح ہے ایک معجزہ کے طور پر تھا۔ اس کو لوہے کے استعمال کے عام طریقہ پر محمول کرنا بالکل غلط ہے، جسمیں لوہے کو گرم کیا جاتا ہے اور جب وہ گرم ہو کر نرم پڑ جاتا ہے تو اس سے مختلف چیزیں ڈھالی جاتی ہیں، اگر معمول کے مطابق ظہور میں آنے والی کوئی ٹیکنالوجی یا تمدنی ترقی ہوتی تو قرآن اسے اس شان سے بیان نہ کرتا اور نہ معجزات کے درمیان اس کا ذکر کرتا۔

۲۱۔ زرہ ایک جنگی ضرورت کی چیز ہے اور قدیم زمانے میں اس کی بڑی اہمیت تھی۔ حضرت داؤد سے پہلے اگر زرہیں بنتی بھی تھیں تو سپاٹ قسم کی جو بہت وزنی ہوتی تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد پر یہ انعام فرمایا کہ لوہا ان کے ہاتھ میں موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا تا کہ وہ اس سے حلقے بنا کر ان کو زرہ کی شکل دیں۔ یہ زرہ ہلکی ہونے کی وجہ سے بآسانی استعمال کی جا سکتی تھی۔ یہ حضرت داؤد کے دفاعی اسلحہ جات میں ایک اہم اور قابلِ قدر اضافہ تھا اور چونکہ اس فن سے دوسری قومیں ناآشنا تھیں، اس لئے دشمن طاقتیں حضرت داؤد کے لشکر کے مقابلہ میں ٹک نہیں سکتی تھیں۔ یہ زبردست جنگی فائدہ تھا جو بنی اسرائیل کو حضرت داؤد کے اس معجزہ کے ذریعہ حاصل ہوا۔ مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ انبیاء نوٹ ۸۔

۲۲۔ خطاب ''داؤد والوں'' یعنی بنی اسرائیل سے ہے کہ اس فضل سے نوازے جانے پر تمہیں نیک بننا چاہئے، کہ یہ حقیقی شکر گذاری ہے۔

۲۳۔ حضرت سلیمان کیلئے ہوا کو اس طرح مسخر کر دیا گیا تھا کہ وہ ان کے اشارے پر اس تیزی سے مگر نرمی کے ساتھ چلتی تھی کہ صبح کے چند گھنٹوں میں ایک ماہ کی مسافت طے ہو جائے، اسی طرح شام کے چند گھنٹوں میں بھی ایک ماہ کی مسافت طے ہو جائے۔ حضرت سلیمان کی سلطنت بائبل کے بیان کے مطابق فلسطین سے نہر فرات تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس لئے عجب نہیں کہ وہ اس خدائی معجزہ کی بنا پر طویل سفر صبح یا شام کے وقت میں طے کرتے ہوں۔

مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ انبیاء نوٹ ۱۰۹ ۔

۲۴ ۔ تانبے کی کانیں ہیں، مگر حضرت سلیمان کیلئے اللہ تعالیٰ نے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا تھا، یہ غیر معمولی بات تھی جو اس کے فضل خاص کا نتیجہ تھی، تاکہ کان کنی کے مرحلوں سے گذرے بغیر سلیمان ایک پر شکوہ اور بے مثال اسلامی حکومت قائم کر سکیں ۔ چنانچہ انہوں نے اس سے جیسا کہ آگے آ رہا ہے بڑے بڑے ظروف بنائے ۔

۲۵ ۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ انبیاء نوٹ ۱۱۰ ۔ نیز سورۂ نمل نوٹ ۲۵ ۔

۲۶ ۔ یہ خیال صحیح نہیں کہ حضرت سلیمان نے جنوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا تھا، بلکہ جیسا کہ آیت صراحت کرتی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے جنوں کو حضرت سلیمان کے تابع کر دیا تھا تاکہ وہ ان سے جو چاہیں خدمت لیں ۔ اور اگر ان میں سے کوئی جن اس حکم سے سرتابی کرتا تو اللہ تعالیٰ اس پر آگ کے عذاب کا کوڑا برسا دیتا ۔

۲۷ ۔ حضرت سلیمان نے ان جنوں سے بڑی بڑی اور مضبوط عمارتوں کی تعمیر کا کام لیا ۔ بڑے بڑے پتھروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا اس زمانہ میں جب کہ کرین ایجاد نہیں ہوئے تھے آسان نہیں تھا لیکن جنوں کی وجہ سے یہ کام آسان ہو گیا ۔

۲۸ ۔ آیت میں لفظ ''تماثیل'' استعمال ہوا ہے جو تمثال کی جمع ہے ۔ اور تمثال عربی میں مجسمہ کو بھی کہتے ہیں اور تصویر کو بھی ۔ عربی کی مبسوط اور مستند لغت لسان العرب میں ہے:

والتِمثال: الصورۃ ---- ''تمثال یعنی صورۃ (تصویر)

وظل کل شئی تمثالہ ---- ہر چیز کا سایہ اس کی تمثال (تصویر) ہے'' ۔

والتمثال اسم للشئ المصنوع متشبھًا بخلق من خلق اللہ ۔ (لسان العرب ج ۱۱ ص ۶۱۳)

''اور تمثال اس مصنوعی چیز کا نام ہے جو اللہ کی کسی مخلوق کے مشابہ بنائی گئی ہو''

والتمثال الشیءالمصوّر ۔ ''تمثال یعنی مصوّر چیز'' (مفردات راغب ص ۴۷۸)

حضرت سلیمان پیغمبر تھے اور حضرت موسیٰ کی شریعت کے پیرو تھے لہٰذا ان کے بارے میں یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے جاندار (ذی روح) کے مجسمے یا تصویریں بنائی ہوں گی ۔ تورات میں جاندار کی تصویر بنانے کی حرمت بیان ہوئی ہے:

''تو اپنے لئے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا، نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین میں یا زمین کے نیچے پانی میں ہے ۔'' (استثناء ۵:۸)

جن مفسرین نے یہ کہا ہے کہ پچھلی شریعت میں جاندار کی تصویریں بنانا جائز تھا، انہوں نے غلط کہا ہے ۔ نبی ﷺ کی یہ حدیث بھی اس کی تردید کرتی ہے:

عن عائشۃ اَنَّ اُمَّ حَبِیْبَۃَ وَاُمَّ سلمۃَ ذَکَرَ نَا کَنِیسَۃً رَأَیْنَھَا بِالْحَبشۃِ فِیھا تصاویر لِرَسُولِ اللہ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہ ﷺ اَن اُولٰئِکَ اِذَا کَانَ فِیْھِم الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوا عَلٰی قَبْرِہٖ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوا فِیْہِ تِلْکَ الصُّوَرُ اُولٰئِکَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَاللہ عَزَّوَجَلَّ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ۔ (مسلم کتاب المساجد)

''(ام المؤمنین) عائشہ سے روایت ہے کہ ام حبیبہ اور ام سلمہ نے رسول اللہ ﷺ سے ایک گرجے کا ذکر کیا جس کو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا اور جس میں تصویریں تھیں رسول ﷺ نے فرمایا ان لوگوں میں جب کوئی صالح شخص ہوتا اور وہ مرجاتا تو یہ لوگ اس کی قبر پر عبادت گاہ بنا دیتے اور اس

میں اس قسم کی تصویریں بنا لیتے ۔ یہ لوگ قیامت کے دن اللہ عزوجل کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے ۔''

یہ حدیث اس باب میں صریح ہے کہ پچھلی شریعت میں بھی تصویر بنانا جائز نہ تھا۔

اس لئے حضرت سلیمان نے غیر جاندار (غیر ذی روح) کی ہی تصویریں بنوائی ہوں گی جو شریعت میں ممنوع نہیں ہیں ۔ یہ تصویریں پھول، پتے، درخت اور قدرتی مناظر کی ہوسکتی ہیں ۔ رہا بائبل کی کتاب ''سلاطین'' اور '' تواریخ'' کا بیان کہ حضرت سلیمان نے جانداروں کی تصویریں بنائی تھیں تو یہ لائق اعتبار نہیں کیوں کہ یہ کتابیں جیسا کہ بائبل کے شارح کا بیان ہے 'حضرت سلیمان کے صدیوں بعد لکھی گئیں جن میں سنی سنائی باتوں اور قصوں کو بڑا دخل رہا ہے (دیکھئے The Interpreters One Volume Commentary on the Bible Page -181) اور بائبل میں تو حضرت سلیمان کی طرف شرک اور بت پرستی کو بھی منسوب کیا گیا ہے۔ اس لئے اس مسئلہ میں اس سے استدلال صحیح نہیں۔ اس آیت کا صحیح اور بہترین مفہوم وہی ہوسکتا ہے جو شرعی احکام سے مطابقت رکھتا ہو اور جس سے ایک پیغمبر کے کردار پر حرف نہ آتا ہو۔ اس سلسلہ میں چند باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

ایک بات یہ کہ تصاویر سے مزین شاندار عمارتوں کی تعمیر کا کام جیسا کہ آیت میں صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے حضرت سلیمان نے جنوں سے لیا تھا وہ بڑے بڑے اور قیمتی پتھر اٹھا کر بھی لاتے تھے اور ان پر نقش و نگار کا کام بھی کرتے تھے ۔ اس کام کی نہ ان کو مزدوری دینا پڑتی تھی اور نہ حکومت کے خزانہ پر اس کا کوئی بار پڑتا تھا اس لئے اس کو اسراف نہیں قرار دیا جاسکتا۔

دوسری بات یہ کہ حضرت سلیمانؑ کے کارناموں میں اچھا خاصا دخل خدائی معجزات کا تھا۔ تانبے کے چشمے کا جاری ہو جانا اور جنوں سے خدمت لینا یہ سب اسی نوعیت کی چیزیں ہیں ۔ انہوں نے اس تعمیری کام اور تصویر سازی کو بطورِ فن یا ثقافت اپنی قوم میں رائج نہیں کیا تھا۔

تیسری بات یہ کہ تصویروں سے مزین شاندار تعمیرات فخر و نمائش کے لئے نہیں بنائی گئی تھیں بلکہ اللہ کے خصوصی فضل کے اظہار کیلئے بنائی گئیں تھیں جو اس نے اپنے پیغمبر سلیمان پر کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے غیر معمولی وسائل فراہم کئے تھے کہ ان کا کام انسانی صناعوں کے بغیر اور حکومت کے خزانے پر بار ڈالے بغیر انجام پاتا تھا۔ اس سے ایک تو اسلامی حکومت کا رعب غیر اقوام پر قائم ہو گیا تھا اور دوسرے حضرت سلیمان کی صداقت ظاہر ہو رہی تھی کہ وہ واقعی اللہ کے نبی ہیں چنانچہ ان کے شیش محل کو دیکھ کر ملکہ سبا کے حضرت سلیمان سے متاثر ہونے کا واقعہ سورۂ نمل میں گزر چکا۔

چوتھی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مصلحت یہ تھی کہ ایک خاص شان کی اسلامی حکومت ایک نبی کے ہاتھوں بنی اسرائیل میں قائم ہو جائے تا کہ یہ بنی اسرائیل پر غیر معمولی انعام بھی ہو اور دنیا والوں پر ظاہر ہو جائے کہ ایک ایسی اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہے جو اپنی ظاہری شان میں بالکل منفرد تھی اور اس کی شان و شوکت کو دیکھ کر خدا یاد آجاتا تھا اور اس حکومت کو نہایت کامیابی اور پورے عدل و انصاف کے ساتھ ایک نبی نے چلا کر دکھایا ہے۔

ان باتوں کو سمجھ لینے کے بعد حضرت سلیمان کے کارنامہ کو مسلمان بادشاہوں کی مسرفانہ اور نمائشی تعمیرات اور شاہی محلات کے جواز کیلئے دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ دہلی کے لال قلعہ کا دیوان خاص جس کی دیواریں نہ صرف پھولوں کی تصاویر اور نقش و نگار سے مزین ہیں بلکہ جن میں قیمتی جواہر بھی جڑ دئے گئے تھے اسراف کا بدترین نمونہ ہے اور مغل بادشاہوں نے شاندار محل محض عیش پرستی کیلئے بنائے تھے اور تاج محل جیسی شان و شوکت والی جو یادگاریں انہوں نے قائم کیں وہ محض فخر و نمائش کیلئے تھیں۔

تصویر کا مسئلہ سامنے آنے سے ذہن میں فوٹو کے جواز و عدم جواز کا سوال بھی ابھرنے لگتا ہے۔ مگر یہاں یہ بحث طوالت کا موجب ہوگی کیونکہ فوٹو موجودہ زمانہ کی ایجاد ہے اور اس لحاظ سے ایک اجتہادی مسئلہ ہے نیز ہم یہاں اس بحث میں پڑنا مناسب بھی نہیں سمجھتے اس لئے ان سطور ہی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

۲۹ ۔ بڑی بڑی دیگوں میں کھانا پکتا تھا اور بڑے بڑے لگن میں اس کو نکالا جاتا تھا تا کہ بیک وقت بہت سے لوگ کھانا کھائیں ۔ حضرت سلیمان کے پاس جو بھاری لشکر تھا معلوم ہوتا ہے ان کے کھانے کیلئے یہ اہتمام کیا گیا تھا یعنی ایک فوجی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ۔

پتھر کے بڑے بڑے لگن اور بڑی بڑی دیگیں بنانے کا کام جو اپنی جگہ سے ہٹائی نہیں جاسکتی تھیں جنوں سے لیا گیا تھا۔ یہ ساری کاریگری جیسا کہ آیت میں صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے جنوں ہی کی کاریگری تھی۔

۳۰۔ آلِ داؤد سے مراد حضرت داؤد کی اولاد بھی ہے اور ان کے پیرو بھی۔اور شکر کے ساتھ عمل کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ان احسانات کا شکر اس طرح ادا کرو کہ عملی زندگی سے اس کا اظہار ہو یعنی ایسا طرزِ عمل جو شکر سے مطابقت رکھنے والا ہو۔معلوم ہوا کہ شکر گذاری کیلئے زبان سے شکر کے کلمات ادا کرنا کافی نہیں بلکہ عمل سے اس کا ثبوت دینا ضروری ہے۔

۳۱۔ قیمتی چیزیں دنیا میں کم ہی پائی جاتی ہیں ،سونا لوہے کے مقابلہ میں ، ہیرے اور جواہرات کوئلے اور پتھر کے مقابلہ میں ،خوبصورت اور خوشبودار پھول، جھاڑ جھنکاڑ کے مقابلہ میں اور زعفران گھاس پھوس کے مقابلہ میں ،اسی طرح اللہ کے شکر گذار بندے ناشکروں کے مقابلہ میں بہت کم پائے جاتے ہیں مگر وہی سوسائٹی کا مکھن اور انسانیت کا بیش بہا جوہر ہوتے ہیں۔

۳۲۔ حضرت سلیمان کی موت بھی معجزانہ طور پر ہوئی تھی۔صورت کچھ اس طرح پیش آئی کہ وہ اپنے عصا سے ٹیک لگائے ہوئے کھڑے تھے اور جنوں کے کام کی نگرانی کر رہے تھے کہ موت نے انہیں آ لیا۔مگر ان کی لاش کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر گرنے نہیں دیا بلکہ اسے عصا کے سہارے کھڑا ہی رکھا تاکہ جن یہ سمجھتے رہیں کہ سلیمان زندہ ہیں اور اس خدمت میں لگے رہیں جو ان کے سپرد کر دی گئی تھی تاکہ تعمیر وغیرہ کا کام مکمل ہو۔وہ اس خدمت کو انجام دیتے رہے یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی موت کو ان پر ظاہر کرنا چاہا تو زمین کے کیڑے یعنی دیمک کو اشارہ کیا کہ وہ ان کے عصا کو کھالے دیمک نے جب عصا کو چاٹ ڈالا تو عصا ٹھہر نہ سکا اور حضرت سلیمان زمین پر گر پڑے۔اس وقت جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ سلیمان کی موت اس سے پہلے ہی واقع ہوگئی تھی اور ان کی لاش عصا کے سہارے کھڑی تھی۔اس وقت انہیں احساس ہوا کہ اگر وہ غیب کی باتیں جانتے ہوتے تو سلیمان کی موت کی خبر انہیں پہلے ہی ہوگئی ہوتی اور انہیں اس کام سے جو ذلت کے ساتھ مصیبت میں پڑ کر انہیں انجام دینا پڑ رہا تھا،کبھی کا چھٹکارا مل گیا ہوتا، کیونکہ جن سلیمان کے حضور ان ہی کی ہدایت پر خدمت انجام دینے کیلئے مامور کئے گئے تھے۔

اس واقعہ کا خاص پہلو جس کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا مقصود ہے یہ ہے کہ جنوں کے بارے میں یہ خیال غلط ہے کہ وہ غیب کی باتیں جانتے ہیں جنوں کو غیب داں سمجھ کر ہی لوگ ان سے مدد کے طالب ہوتے ہیں اور سفلی اعمال میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔یہ محض وہم پرستی ہے مگر آج بھی کتنے ہی لوگ اعتقاد کی اس خرابی کی بنا پر جنوں کی دہائی دیتے ہیں اور جب کوئی شخص دماغی عارضہ میں مبتلا ہوجاتا ہے تو اسے آسیب پر محمول کرکے بے رحمی کے ساتھ اس کی پٹائی کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ دراصل وہ اس جن کو پیٹ رہے ہیں، جو اس شخص پر سوار ہوگیا ہے اور پھر جن کو حاضر کرکے اس سے کچھ اگلوانے کی کوشش کرتے ہیں۔اس موقع پر شیطان انہیں دھوکہ پر دھوکہ دیئے چلا جاتا ہے اور ان کی بداعتقادی ان کو پستی اور ذلت میں مبتلا کر دیتی ہے۔

واضح رہے کہ قرآن نے اس بات کی صراحت نہیں کی کہ حضرت سلیمان انتقال کے بعد کتنے عرصہ تک ٹیک لگائے کھڑے رہے۔جن روایتوں میں ایک سال کا ذکر ہوا ہے اور جن کو مفسرین نے نقل کیا ہے وہ سب ناقابل اعتبار ہیں صحیح درجہ کی کوئی روایت بھی اس سلسلہ میں موجود نہیں ہے۔اس لئے کسی لمبی مدت کو فرض کرنا ضروری نہیں، ہوسکتا ہے وہ اس حالت میں چند روز رہے ہوں اور اتنا وقت بھی جنوں کو یہ محسوس کرا دینے کیلئے کافی ہو کہ انہیں ان کی موت کی بروقت خبر نہ ہوسکی۔رہا یہ سوال کہ اگر جنوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے انتقال کی خبر نہ ہوسکی تو کیا انسانوں کو بھی نہیں ہوسکی تھی اور اگر انسانوں کو ہوئی تھی تو پھر بغیر تجہیز وتکفین کے لاش کو کس طرح ایک عرصہ تک اسی حالت پر رہنے دیا گیا؟ تو اس سلسلہ میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ قرآن نے صرف جنوں کے بے خبر رہنے کی صراحت کی ہے مَادَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ اس کی موت پر ان کو مطلع کرنے والی چیز زمین

کا کیڑا تھا۔'' میں هُمْ (ان کو) کی ضمیر جنوں کی طرف پھرتی ہے۔ کیونکہ اس آیت میں بھی جنوں ہی کا ذکر ہوا ہے اور اس سے پہلے والی آیت میں بھی جنوں کی کاریگری بیان ہوئی ہے۔ اس سیاق (Context) میں کوئی ایسی بات نہیں جو انسانوں پر دلالت کرتی ہو۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت سلیمان نے اللہ سے اشارہ پا کر اپنے انتقال کے موقع پر ہی اپنے اہل وعیال اور اپنی حکومت کے نائبین کو ہدایت کی ہوگی کہ وہ ان کی لاش کو اپنے حال پر رہنے دیں جب تک کہ وہ گر نہ پڑے اور انہوں نے اس کی تعمیل کی ہوگی یا پھر انہوں نے یہ دیکھ کر کہ حضرت سلیمان انتقال کے باوجود عصا کے سہارے کھڑے ہیں اور زمین پر ان کی لاش گر نہیں رہی ہے یہ سمجھا ہوگا کہ یہ اللہ کا سراسر معجزہ ہے اس لئے آئندہ کوئی بات ظاہر ہونے تک لاش کو اسی حالت میں رہنے دینا چاہیئے۔ اور چونکہ ان کی لاش خدائی معجزہ کی بنا پر کھڑی تھی اس لئے اس کے محفوظ رہنے کی طرف سے بھی اطمینان رہا ہوگا اور تدفین اسی وقت عمل میں آئی ہوگی جب کہ وہ زمین پر گر پڑے۔ جو جن خدمت پر مامور تھے ان کے اور انسانوں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے ایسی رکاوٹیں کھڑی کر دی ہوں گی کہ جنوں کو کسی طرح بھی حضرت سلیمان کی موت کا پتہ نہ چل سکا۔ ہمارے خیال میں اس توجیہ کے بعد کوئی اشکال باقی نہیں رہتا اور حقیقتِ حال کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۥ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾

[۱۵] سبا۳۳؎ کیلئے ان کے مسکن ہی میں ایک بڑی نشانی موجود تھی ۳۴؎۔دو باغ دائیں اور بائیں جانب ۳۵؎ ۔کھاؤ اپنے رب کا بخشا ہوا رزق اور شکر کرو اس کا۔اچھی سرزمین اور بخشنے والا رب!۳۶؎

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾

[۱۶] مگر انہوں نے منہ موڑا ۳۷؎،تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب بھیج دیا ۳۸؎۔اور ان کے باغوں کو دو ایسے باغوں میں بدل دیا جن میں بدمزہ پھل، جھاؤ اور قدرے قلیل بیریاں تھیں۔۳۹؎

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾

[۱۷] یہ تھا ان کی ناشکری کا بدلہ جو ہم نے ان کو دیا ۴۰؎ ۔اور ایسا بدلہ ہم ناشکرے لوگوں ہی کو دیا کرتے ہیں۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ۭ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾

[۱۸] اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں، کھلی بستیاں بھی آباد کی تھیں اور ان کے درمیان سفر کی منزلیں بھی مقرر کر دی تھیں ۴۱؎۔سفر کرو ان میں رات دن امن کے ساتھ۔۴۲؎

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾

[۱۹] مگر انہوں نے کہا اے ہمارے رب! ۴۳؎ ہمارے سفر کی مسافتوں میں دوری پیدا کر دے ۴۴؎۔اور انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ۴۵؎ تو ہم نے ان کو افسانہ بنا کر رکھ دیا ۴۶؎ اور ان کو بالکل تتر بتر کر ڈالا ۴۷؎۔یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر اس شخص کیلئے جو صبر کرنے والا شکر کرنے والا ہو۔۴۸؎

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۰﴾

[۲۰] اور ابلیس نے ان پر اپنا گمان سچ کر دکھایا ۴۹؎ ۔چنانچہ انہوں نے اس کی پیروی کی بجز ایک گروہ کے جو مؤمن تھا۔۵۰؎

وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ۭ وَرَبُّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾ ع

[۲۱] اس کا ان پر کوئی زور نہ تھا ۵۱؎ مگر ہم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کون آخرت پر ایمان لاتا ہے اور کون اس کے بارے میں شک میں پڑا ہوا ہے ۵۲؎ ۔اور تمہارا رب ہر چیز پر نگراں ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾

[۲۲] کہو ۵۳؎ پکارو ان کو جن کو تم نے اللہ کے سوا معبود گمان کر رکھا ہے۔ وہ نہ آسمانوں میں ذرہ برابر اختیار رکھتے ہیں اور نہ زمین میں ۵۴؎۔اور نہ ان دونوں میں ان کا کوئی ساجھا ہے ۵۵؎ اور نہ ہی ان میں سے کوئی اس کا مددگار ہے۔

۳۳۔ سبا ایک قوم کا نام ہے جو یمن کے علاقے میں آباد تھی اور اس کا دارالحکومت م آرب تھا، جو صنعاء کے مشرقی جانب ۱۹۳ رکیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ سورۂ نمل میں ملکہ سبا کے حضرت سلیمان کے پاس حاضر ہونے اور اسلام قبول کرنے کا واقعہ گزر چکا۔ اس زمانہ میں عام طور سے رعایا کا دین وہی ہوتا تھا جو بادشاہ کا ہوتا، اس لئے ملکہ سبا اسلام قبول کر کے جب اپنے ملک کو لوٹی ہوگی تو اس کے رعایا نے بھی اسلام قبول کیا ہوگا۔ اس طرح سبا کے ملک یمن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ ہی میں اسلام پہنچ گیا تھا۔ قوم سبا سیکڑوں سال تک حکومت بھی کرتی رہی اور خوشحال بھی رہی۔ وہ عرب کی عظیم الشان متمدن حکومت تھی۔ لیکن بعد میں جب انہوں نے اللہ کی ناشکری کا رویہ اختیار کیا تو وہ ساری نعمتیں ان سے چھین لی گئیں جو اللہ نے انہیں عطا کی تھیں۔ ناشکری کرنے والی قوم کے اس انجام کو یہاں عبرت کیلئے پیش کیا گیا ہے۔

۳۴۔ یعنی جس علاقہ میں وہ آباد تھے اس کے زرخیز ہونے اور قوم کیلئے خوشحالی کا باعث ہونے میں اس بات کی واضح علامت موجود تھی کہ یہ نعمتیں ان کے رب، اللہ ہی کی عطا کردہ ہیں اور اس کے اس احسان پر شکر واجب ہے اور یہ کہ اگر وہ چاہے تو یہ نعمتیں چھین بھی سکتا ہے اس لئے اس سے ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرنی چاہئے۔

۳۵۔ یعنی باغوں کا ایک سلسلہ دہنی جانب تھا اور دوسرا بائیں جانب، جن میں نفیس اور لذیذ پھلوں سے لدے ہوئے درخت، لہلہاتے کھیت اور خوشبودار درخت اس کثرت سے تھے کہ پورا علاقہ چمنستان بنا ہوا تھا۔

۳۶۔ یعنی رزق کی یہ فراوانی ان کے رب ہی کی بخشش تھی اور یہ خوانِ نعمت زبانِ حال سے گویا تھا کہ اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو اور قدرت بھی اپنی خاموش زبان میں اعلان کر رہی تھی کہ کیسی زرخیز اور عمدہ ہے یہ زمین اور خوب ہے وہ رب جو اپنے شکر گذار بندوں کے قصور معاف کرتا ہے۔

۳۷۔ یعنی انہوں نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے بجائے اس سے بے تعلقی اور بے رُخی اختیار کی۔ اور جب انہوں نے اللہ سے روگردانی کی تو پھر ان کا شرک اور دنیا پرستی میں مبتلا ہونا لازمی بات ہے۔

۳۸۔ سَیْلَ الْعَرِمِ (بند کا سیلاب) سے مراد وہ سیلاب ہے جو بند (Dam) توڑ کر سبا کے باغوں اور کھیتوں میں گھس پڑا اور سب کچھ تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ یہ بند سدم آرب کے نام سے مشہور ہے جو قوم سبا نے اپنے دارالحکومت مآرب میں دو پہاڑوں کے درمیان جن کا نام ابلق ہے بنایا تھا تاکہ بارش اور چشموں کا پانی اس میں جمع رہے۔ انہوں نے اس سے نہریں نکال کر آب پاشی کا سامان کیا تھا۔ ڈیم (Dam) بنانے کا فن موجودہ زمانہ کی ایجاد نہیں ہے بلکہ یہ فن دو ہزار سال سے بھی زیادہ قدیم ہے۔ قوم سبا نے اس میں بڑی مہارت کا ثبوت دیا تھا۔ (بند کی تفصیلات کیلئے دیکھئے ارض القرآن از سید سلیمان ندوی، عنوان سدم آرب ج ۱ ص ۲۵۴) بند ٹوٹنے کا یہ واقعہ اندازہ ہے کہ دوسری صدی قبل مسیح میں پیش آیا ہوگا۔

اس بند (Dam) کے آثار اب بھی م آرب میں موجود ہیں اور زبان حال سے داستان عبرت سنا رہے ہیں۔ ہم اس کی تصویریں آگلے صفحات پر پیش کر رہے ہیں۔ (ان آثار کی تفصیلات کیلئے دیکھئے ڈاکٹر عبدالعلیم عبدالرحمٰن خضر کی کتاب مفاہیم جغرافیۃ فی القصص القرآنیہ مطبوعہ دارالشروق جدہ ص ۱۹۵ تا ۲۰۶)

۳۹۔ یعنی سیلاب کی تباہ کاری کا نتیجہ یہ ہوا کہ ثمر آور باغ ختم ہو گئے اور ان کی جگہ کڑوے کسیلے پھل والے درختوں اور جھاڑ جھنکاڑ نے لے لی۔ اگر کھانے کا کوئی درخت رہا تو وہ بیریاں اور وہ بھی بہت کم۔

معلوم ہوتا ہے سیلاب نے اپنے ساتھ ریت اور کچھ ایسے مادے بکھیر دئے کہ زمین پر ان کی تہ جم جانے سے اس کی ساری زرخیزی ختم ہو گئی۔

۴۰ ۔ سبا کو ناشکری کی ایسی سزا ملی کہ اس کا سارا عیش کافور ہو گیا اور خوشحالی کی زندگی بدحالی میں تبدیل ہو گئی۔

واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی ناسپاس اور ناشکر گذار قوم کو سزا دینا چاہتا ہے تو اس سے اپنی نعمتیں چھین لیتا ہے اور اس کی معیشت کو تباہ کر دیتا ہے۔ یہ اسی صورت میں ہوتا ہے جب قوم اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کرنے لگتی ہے اور اپنے رب سے منہ پھیر لیتی ہے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ اللہ کی یہ سنت (قاعدہ) بیان ہوئی ہے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ (رعد۔۱۱)

''اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے رویہ کو نہیں بدلتی۔''

سبا کے اس واقعہ سے یہ بھی واضح ہوا کہ خوشحالی ہو یا بدحالی سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے نہ دیوی دیوتاؤں کا کوئی وجود ہے اور نہ رزق دینے پر کوئی قادر ہے۔ حق صرف توحید ہے اور شرک سراسر باطل۔

۴۱ ۔ یہ ایک دوسری نعمت کا ذکر ہے جو سبا کو عطا ہوئی تھی۔ ان کیلئے سفر کو نہایت آسان اور آرام دہ بنا دیا گیا تھا، وہ شام اور فلسطین کی طرف تجارتی سفر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شاہراہ کو جو یمن سے بیت المقدس اور دمشق تک تھی اس قابل بنا دیا تھا کہ قریب قریب بستیاں آباد ہو گئیں۔ مسافروں کیلئے منزلیں طے کرنا آسان ہو گیا۔ یہ بستیاں شاہراہ کے کناروں پر آباد ہونے کی وجہ سے کھلی دکھائی دینے والی بستیاں تھیں اس لئے امن وامان کے ساتھ سفر کرنا ممکن ہو گیا تھا۔

''ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں'' سے مراد بیت المقدس اور فلسطین و شام کا علاقہ ہے۔ اس سرزمین کیلئے قرآن کی یہ معروف تعبیر ہے۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ بنی اسرائیل نوٹ ۱۔

۴۲ ۔ یہ بھی قدرت کا اپنی خاموش زبان میں اعلان تھا۔

۴۳ ۔ معلوم ہوا کہ قومِ سبا اللہ کو اپنا رب مانتی تھی پھر بھی اس کی ناشکر گذار تھی۔

۴۴ ۔ سبا نے اللہ کی اس نعمت کی بھی ناقدری کی، کہنے لگے جس سفر میں صعوبتیں نہ ہوں وہ سفر ہی کیا۔ ان کی یہ دعا کہ ہمارے سفر کی منزلوں میں دوری پیدا کر دے انسان کی اس ذہنیت کی غمازی کرتی ہے جو قرآن میں دوسری جگہ بیان ہوئی ہے:

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ۔ (بنی اسرائیل۔۱۱)

''اور انسان شر کیلئے اسی طرح دعا کرنے لگتا ہے جس طرح اسے خیر کیلئے دعا کرنا چاہئے۔''

اور مشرکین مکہ نے بھی اپنے لئے بددعا کی تھی:

اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ (انفال۔۳۲)

''اے اللہ اگر یہ واقعی حق ہے تیری جانب سے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب نازل کر۔''

۴۵ ۔ یعنی ایسا کر کے انہوں نے اپنے ہی اوپر زیادتی کی۔ اللہ کی ناشکری کرنے سے اللہ کا کچھ نہیں بگڑتا بلکہ آدمی اپنے ہی کو اللہ کے غضب کا مستحق بنا دیتا ہے۔

۴۶ ۔ یعنی کہاں سبا کا وہ عروج اور کہاں اس کا یہ زوال کہ وہ تاریخ کے اوراق میں داستانِ پارینہ بن کر رہ گئے۔

۴۷ ۔ بند کے ٹوٹ جانے اور باغوں کے اجڑ جانے سے سبا کی تجارت بھی متاثر ہوئی۔ جو تجارتی قافلے خوشبودار مسالے اور دیگر قیمتی اشیاء لے کر

شام کی طرف جایا کرتے تھے ان کا کاروبار بھی ٹھپ ہوگیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سبا کے مختلف قبیلے وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور تہامہ، شام وغیرہ مختلف علاقوں میں انہوں نے سکونت اختیار کی۔ اس طرح سبا کی جمعیت پارہ پارہ ہوگئی اور وہ منتشر ہو کر رہ گئے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سبا کی طرف انبیاء بھیجے گئے تھے مگر یہ بات نہ قرآن میں بیان ہوئی ہے اور نہ کسی صحیح حدیث میں۔ اور جو سزا قومِ سبا کو ملی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی رسول براہِ راست ان کی طرف نہیں بھیجا گیا تھا ورنہ رسول کو جھٹلانے کا انجام تو یہ ہوتا ہے کہ وہ قوم صفحہ ہستی سے مٹادی جاتی ہے۔ مگر سبا کی معیشت تباہ کر دی گئی اور اس کا شیرازہ بکھیر دیا گیا۔ یہ سزا اس سزا سے مختلف تھی جو رسول کو جھٹلانے والی قوموں کو دی جاتی رہی۔ رہا اسلام کی دعوت کا قومِ سبا کو پہنچنا اور ان پر اللہ کی حجت کا قائم ہوجانا تو یہ کام حضرت سلیمان کے ذریعہ بھی انجام پایا تھا اور دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے ذریعہ بھی انجام پاتا رہا ہوگا، کیونکہ اس زمانہ میں ارضِ مقدس کو دعوتِ اسلامی کا مرکز بنایا گیا تھا، تاکہ بنی اسرائیل کے ذریعہ دوسری اقوام تک دعوت پہنچے۔

۴۸ ۔ سبا کے اس تاریخی واقعہ میں رہنمائی کا کافی سامان موجود ہے۔ مثلاً یہ کہ کسی قوم کی خوشحالی اللہ تعالیٰ کے احسان کا نتیجہ ہوتی ہے اور جب وہ قوم اس کی ناقدری کرتی اور اپنے رب سے منہ پھیر لیتی ہے تو اس کی خوشحالی کو اللہ تعالیٰ بدحالی میں تبدیل کر دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ قوموں کا عروج و زوال محض ظاہری اسباب کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ اس کے پیچھے اللہ کی حکمت اور اس کا قانونِ عدل کارفرما ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس نے سبا کو ناشکری کی سزا دے کر عبرت کیلئے ایک مثال پیش کر دی ہے جو تاریخ کے اوراق پر ثبت ہوگئی ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ دنیا مزے اڑانے کیلئے نہیں بلکہ ذمہ داریوں کو ادا کرنے کیلئے ہے۔ اور انسان کی فلاح کا دارومدار ذمہ داریوں کو ادا کرنے ہی پر موقوف ہے۔

مگر اللہ اور آخرت کی طرف رہنمائی کرنے والی ان نشانیوں سے فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو صبر اور شکر کی خصوصیات اپنے اندر رکھتے ہیں۔

۴۹ ۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف جو ابلیس نے کہی تھی کہ:

وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔ (حجر ۔ ۳۹، ۴۰)

''اور میں ان سب کو بہکاؤں گا سوائے تیرے ان بندوں کے جن کو تو نے ان میں سے خاص کر لیا ہو۔''

وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شَاكِرِيْنَ۔ (اعراف ۔ ۱۷)

''اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔''

اور سبا نے ابلیس کو اپنا یہ خیال صحیح ثابت کر دکھانے کا موقع دیا۔

۵۰ ۔ معلوم ہوا کہ قومِ سبا میں ایک مؤمن گروہ بھی تھا جس نے شیطان کی پیروی نہیں کی اور اللہ کی ناشکری کا طریقہ اختیار نہیں کیا۔

۵۱ ۔ یعنی شیطان نے اپنی پیروی کے لئے لوگوں کو مجبور نہیں کیا تھا بلکہ صرف ترغیب دی تھی۔ اس لئے جن لوگوں نے اس کی پیروی کی وہ اپنے کئے کے خود ذمہ دار ہیں۔

۵۲ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے سبا کو پہلے خوشحال اور پھر بدحال بنا کر اس آزمائش میں ڈالا کہ وہ آخرت کو مانتے ہیں یا نہیں۔ جو آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے ممیز ہو جائیں جن کو آخرت کا یقین نہیں ہے اور تذبذب میں مبتلا ہیں۔

واضح ہوا کہ حقیقۃً اللہ کی شکر گزاری وہی ہے جو ایمان بالآخرت کے ساتھ ہو۔

۵۳ ۔ یہاں سے خطاب کا رُخ مشرکین کی طرف ہوگیا اور شرک کی تردید میں دل و دماغ کو اپیل کرنے والی باتیں ارشاد ہوئی ہیں۔

۵۴ ۔ یہ مشرکین کے اس عقیدے کی تردید ہے کہ ان کے معبود کچھ خدائی اختیارات رکھتے ہیں۔ فرمایا وہ ذرہ برابر بھی اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں

میں اور نہ زمین میں ۔ سارا اختیار اللہ ہی کا ہے ۔ پھر جو بے اختیار ہیں وہ کس طرح پرستش کے مستحق ہوئے اور ان کی پرستش کر کے کیا چیز حاصل کی جاسکتی ہے؟

اس آیت میں غیر اللہ کے اختیارات کی جو نفی کی گئی ہے اس سے صرف بت پرستوں کے عقیدہ ہی کی تردید نہیں ہوتی بلکہ قبر پرستوں کے عقیدہ کی بھی تردید ہوتی ہے ۔ وہ بھی قطب، ابدال وغیرہ کو متصرِّف (اختیارات رکھنے اور استعمال کرنے والا) مانتے ہیں اور تاویل یہ کرتے ہیں کہ یہ اختیارات ان کو اللہ کے عطا کرنے سے حاصل ہوئے ہیں ۔ مگر اول تو یہ اللہ پر افتراء (جھوٹ) ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کہیں نہیں فرمایا کہ اس نے فلاں اور فلاں کو تصرف کے اختیارات دئے ہیں ۔ دوسرے یہ کہ خدائی اختیارات سرے سے قابل انتقال ہیں ہی نہیں بالکل اسی طرح جس طرح خدا کا کوئی جزء قابل انتقال نہیں، ورنہ اللہ کی صفات میں شرک لازم آئے گا ۔ مخلوق کو اللہ تعالیٰ جو اختیارات عطا کرتا ہے وہ تخلیقی نوعیت کے ہوتے ہیں یعنی خدا کے پیدا کردہ ہوتے ہیں نہ کہ خدا کے اپنے اختیارات کا جزء ۔ اور حاجت روائی، فریاد رسی اور مشکل کشائی کا تعلق خدائی اختیارات سے ہے ۔ کیونکہ اس کے لئے حاضر ناظر ہونا، ہر شخص کے حالات کو جاننا، جس زبان میں وہ پکارے اس کو سمجھنا اس کے دل کی باتوں کو بھی جان لینا اور اس کی حاجتوں کو پورا کرنے پر قادر ہونا ضروری ہے اس لئے بندوں کو جو اختیارات حاصل ہوتے ہیں وہ تخلیقی نوعیت کے اور نہایت محدود ہوتے ہیں ۔ فریاد رسی اور حاجت روائی سے جو خدا ہی کے کام ہیں کوئی تعلق نہیں ہوتا ۔ اس فرق کو نظر انداز کر کے کتنے ہی مسلمان شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں اور اب ایسی تفسیریں بھی لکھی جارہی ہیں جو شرک کے بارے میں لوگوں کو مغالطہ میں ڈال دیتی ہیں ۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''معلوم ہوا کہ کسی چیز پر مالک نہ ہونا بتوں کیلئے ہے، انبیاء اولیاء رب کی عطا سے رب کی ہر چیز کے مالک ہیں ۔'' (مختصر تفسیر نعیمی ص ۶۸۷)

آیت کی یہ تفسیر کس قدر گمراہ کن ہے ۔ جو آیت غیر اللہ کے اختیارات کی نفی کرتی ہے اسی کو انبیاء اور اولیاء کے با اختیار ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جارہا ہے یعنی جو آیت ہدایت کے لئے تھی اس سے گمراہی اخذ کی گئی ۔ اللہ تعالیٰ ان گمراہیوں سے بچائے ۔

۵۵ ۔ یعنی آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں غیر اللہ کا کوئی حصہ نہیں ۔ پھر انہیں اس کائنات میں وہ اختیارات کہاں سے حاصل ہو گئے جو اس کے خالق ہی کی صفت ہیں؟

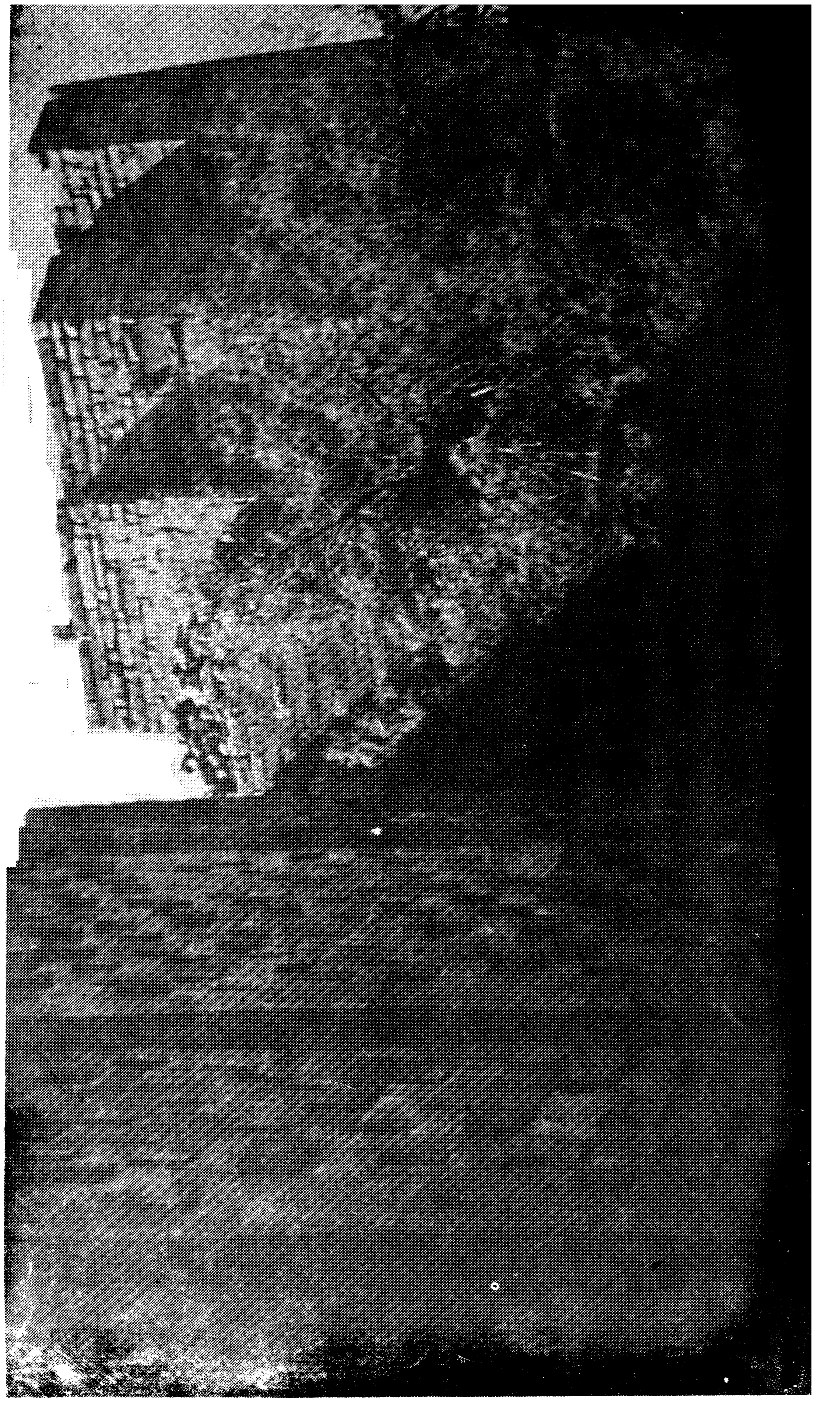

سبا کے بنائے ہوئے ڈیم سدِّ مآرب کے آثار (۱)

سدِّ مآرب کے آثار (۲)

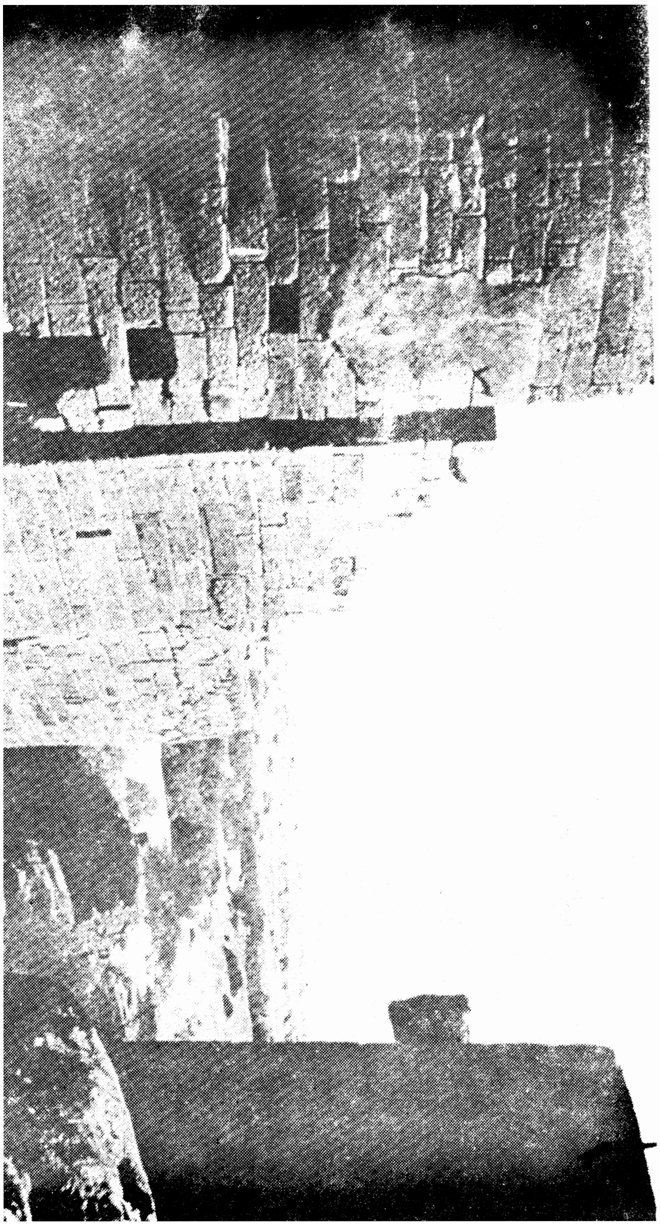

سدِّ مآرب کے آثار (۳)

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ
عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ
الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾

۲۳ اس کے حضور کوئی شفاعت کام نہیں آ سکتی مگر جن کے لئے وہ اجازت دے ۵۶۔ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوگی تو وہ پوچھیں گے تمہارے رب نے کیا فرمایا ۵۷؟ وہ کہیں گے بالکل حق فرمایا ۵۸۔ اور وہ بلند و برتر ہے۔ ۵۹

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَ اِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ
لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾

۲۴ ان سے پوچھو کون تمہیں آسمانوں اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کہو اللہ۔ اور ہم اور تم دونوں میں سے ایک ہدایت پر ہے اور دوسرا کھلی گمراہی میں۔ ۶۰

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵ کہو تم سے ہمارے جرم کی باز پرس نہ ہوگی اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس کے بارے میں ہم سے نہیں پوچھا جائے گا۔ ۶۱

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾

۲۶ کہو ہمارا رب ہم سب کو جمع کریگا ۶۲۔ پھر ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا ۶۳۔ اور وہی فیصلہ کرنے والا علم والا ہے۔

قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

۲۷ کہو ذرا مجھے دکھاؤ تو وہ کون ہیں جن کو تم نے اس کے ساتھ شریک جوڑ رکھا ہے ۶۴؟ ہرگز نہیں۔ غلبہ والا اور حکمت والا تو اللہ ہی ہے۔ ۶۵

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸ اور (اے نبی!) ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ۶۶

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹ یہ لوگ تم سے کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو ۶۷؟

قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً
وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾

۳۰ کہو تمہارے لئے ایک ایسے دن کی میعاد مقرر ہے جس سے تم ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو۔ ۶۸

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ
بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚۖ يَرْجِعُ
بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ِۨالْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ
اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱ کافر کہتے ہیں ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس سے پہلے کی کسی کتاب پر ۶۹۔ اور اگر تم (ان کی اس حالت کو) دیکھ لیتے جب یہ ظالم اپنے رب کے حضور کھڑے کر دیئے جائیں گے ۷۰! وہ ایک دوسرے کو ملامت کریں گے۔ جو لوگ کمزور تھے وہ ان لوگوں سے جو بڑے بن رہے تھے کہیں گے تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن ہوتے ۷۱۔

۵۶ ۔ اشارہ ہے فرشتوں کی طرف جن کو مشرکین اللہ کی بیٹیاں سمجھ کر پرستش کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ کے حضور ہماری شفاعت کرنیوالے ہیں ۔ یعنی اگر قیامت قائم ہو ہی گئی تو یہ اللہ کے حضور ہماری سفارش کر کے ہمیں عذاب سے نجات دلائیں گے ۔ شفاعت کے اس تصور کو باطل قرار دیتے ہوئے واضح کیا گیا کہ فرشتوں کی یہ مجال نہیں کہ وہ اللہ کے حضور کسی کیلئے سفارش کریں، کجایہ کہ وہ اپنی سفارش منوا کر رہیں ۔ شفاعت اللہ کی مغفرت کی ایک شکل ہے اور وہ ان ہی لوگوں کے حق میں ہو سکے گی جن کیلئے اللہ اجازت دے اور یہ اجازت مشرکوں اور کافروں کے حق میں ہرگز نہیں ہوگی کیونکہ ان کیلئے مغفرت کے دروازے بند ہوں گے ۔

شفاعت کی مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ مریم نوٹ ۱۱۱ ، سورۂ بقرہ نوٹ ۴۱۲ ، اور سورۂ انبیاء نوٹ ۳۱ ۔

۵۷ ۔ اس فقرہ کا تعلق ''مگر جن کیلئے وہ اجازت دے'' سے ہے یعنی جن لوگوں کے حق میں شفاعت کی اجازت دی جائے گی تو اس کا موقع بھی قیامت کے دن ایک خاص مرحلہ میں ہی آئے گا ۔ اس مرحلہ کے آنے تک تو طالبین شفاعت پر سخت خوف طاری رہے گا اور وہ گھبراہٹ کی حالت میں رہیں گے ۔ ان کی یہ گھبراہٹ اسی وقت دور ہوگی جب اللہ تعالیٰ ان کے حق میں شفاعت کرنے کی اجازت فرشتوں اور انبیاء وغیرہ کو دے گا ۔ اس وقت وہ شفاعت کرنے والوں سے پوچھیں گے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟

۵۸ ۔ وہ جواب دیں گے کہ حق فرمایا ۔ یعنی اس نے تمہارے حق میں شفاعت کی اجازت دی ہے اور یہ حق عدل پر مبنی ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ اس نے تمہارے حق میں شفاعت کی اجازت اس لئے دی ہے کہ تم مشرک اور کافر نہیں تھے ۔

اس سے شفاعت کے سلسلہ میں یہ ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ:

اولاً فرشتوں کی شفاعت کا وہ تصور جو مشرکین نے قائم کر رکھا ہے سراسر غلط اور باطل ہے ۔

ثانیاً قیامت کے دن نجات کا اصل دارومدار ایمان اور عمل صالح پر ہوگا ۔ شفاعت ایک استثنائی صورت ہوگی اور وہ ان ہی لوگوں کے حق میں ہوگی جو مشرک اور کافر نہیں ہوں گے اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ شفاعت کرنے کی اجازت دے ۔

ثالثاً یہ اجازت بھی ایک خاص مرحلہ میں دی جائے گی ۔ اس وقت تک طالبین شفاعت پر گھبراہٹ کا عالم طاری رہے گا ۔ یعنی جب تک یہ مرحلہ آنہیں جاتا قیامت کا طویل دن ان کے لئے کرب و مصیبت ہی کا دن رہے گا ۔ انسان جب دنیا میں تھوڑی دیر کیلئے مصیبت برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتا تو پھر شفاعت پر تکیہ کر کے قیامت کے دن کی طویل مصیبت کو برداشت کرنے کیلئے کس طرح آمادہ ہو جاتا ہے ۔ صحیح صورت یہی ہے کہ آدمی شفاعت پر تکیہ کرنے کے بجائے ایمان و عمل صالح کی زندگی گزارے ۔

موجودہ مسلمانوں میں بھی شفاعت کا غلط تصور قائم ہو گیا ہے اور اس بنا پر ان کی بڑی تعداد بے عمل ہو کر رہ گئی ہے ۔ اگر وہ قرآن کی ان آیات پر غور کرتے تو اس انحطاط کو نہ پہنچتے ۔

بعض مفسرین نے ''ان کے دلوں کی گھبراہٹ دور ہوگی'' سے فرشتوں کی گھبراہٹ مراد لی ہے لیکن ''عَنْ قُلُوبِهِمْ'' ''ان کے دلوں سے'' کے الفاظ فرشتوں کے لئے موزوں ہونے میں کلام ہے ۔ اگر فرشتوں کی گھبراہٹ مراد ہوتی تو ان کے لئے عَنْ اَنْفُسِهِمْ ''ان کے نفس سے'' کے الفاظ استعمال ہوتے اس لئے ہم نے طالبین شفاعت کی گھبراہٹ مراد لی ہے اور آیت کا جو مفہوم ہم نے بیان کیا ہے اس کے بعد ہمارے خیال میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا ۔۔۔۔۔۔ واللہ اعلم

۵۹ ۔ اللہ بلند و برتر ہے اس لئے کسی کی مجال نہیں کہ وہ بزور اس سے سفارش منوائیں ۔

۶۰ ۔ یعنی جب اس حقیقت سے تمہیں بھی انکار نہیں کہ رزق اللہ ہی دیتا ہے تو پھر غیر اللہ کو جو رزق نہیں دیتے معبود بنانے کا کیا جواز ہے؟ اور جب ہم نے حقیقی رازق ہی کو معبود مان لیا اور تم نے ان کو معبود بنالیا جو رازق نہیں ہیں تو ہماری اور تمہاری راہیں الگ ہوگئیں۔ اب لازماً ہم دونوں میں سے ایک ہدایت پر ہے اور دوسرا گمراہی میں۔ اب تم سوچ لو کہ ہدایت پر کون ہے اور گمراہ کون؟

آیت میں جس اسلوب میں بات کہی گئی ہے وہ منکرین کو دعوت فکر دینے کیلئے ہے۔

۶۱ ۔ اس آیت میں انکار کرنے والوں کو دعوتِ فکر دی گئی ہے کہ تم الٹا ہم کو مجرم گردانتے ہو؟ لیکن اگر ہم نے واقعی جرم کیا ہے تو اس کی جواب دہی ہمیں کرنا ہوگی نہ کہ تمہیں اور تمہارے اعمال کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا نہ کہ ہم سے، لہٰذا عقلمندی کا تقاضا ہے کہ تم ہمیں مجرم قرار دینے سے پہلے خود اپنے عقائد و اعمال کا جائزہ لو کہ کیا یہ درست ہیں اور قیامت کے دن جب تم سے باز پرس ہوگی تو تم اس کا کیا جواب دے سکو گے؟

۶۲ ۔ یعنی قیامت کے دن۔

۶۳ ۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان اور کافروں کے درمیان حق و عدل کی بنیاد پر فیصلہ فرمائے گا اور اس فیصلہ کو نافذ بھی کرے گا کہ کون گروہ حق پر تھا اور کون باطل پر۔ کس نے دینِ حق کی پیروی کی اور کون باطل مذاہب کی پیروی کرتے رہے۔

۶۴ ۔ یہ سوال بھی مشرکین کو دعوتِ فکر دیتا ہے کہ جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے ان میں وہ کونسی خدائی صفات ہیں جن کی بنا پر تم نے ان کو اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے اور جن کی بنا پر تم ان کی پرستش کرتے ہو جب کہ پرستش صرف اللہ کا حق ہے۔

۶۵ ۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جو غلبہ اور اقتدار اور علم و حکمت کی صفات سے متصف ہو۔ اس لئے تم نے جن کو خدا اور معبود بنا رکھا ہے وہ ہرگز نہ خدا ہیں اور نہ لائق پرستش۔

۶۶ ۔ یہ نبی ﷺ کی عالمگیر رسالت کا اعلان ہے کہ آپ کی بعثت صرف عربوں کی طرف نہیں، بلکہ بلا قیدِ قوم و ملک تمام انسانوں کی طرف ہوئی ہے۔ اور قیامت تک پیدا ہونے والی تمام قومیں آپ کی امتِ دعوت ہیں۔ یہاں منکرین پر یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ جس شخصیت کی مخالفت پر تم تلے ہوئے ہو اور اس کی ناقدری کر رہے ہو، اسے اللہ تعالیٰ نے اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ وہ پوری انسانیت کے لئے رہنما ہے۔ ایسی قدر و منزلت رکھنے والی شخصیت کی اگر تم ناقدری کرتے ہو تو یہ تمہارے لئے بڑی محرومی کی بات ہے۔

۶۷ ۔ یعنی قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا۔

۶۸ ۔ یعنی قیامت کا وقت مقرر ہے۔ تمہارے طلب کرنے سے نہ ایک گھڑی پہلے آسکتا ہے اور نہ ایک گھڑی بعد۔ اور جب قیامت کا ظہور ہوگا تو ٹھیک وقت پر تم حاضر کر دیئے جاؤ گے نہ ایک گھڑی پہلے اور نہ ایک گھڑی بعد۔

۶۹ ۔ یعنی تورات، انجیل وغیرہ پر۔

۷۰ ۔ یعنی آج تو یہ لوگ بڑے تکبر سے کہتے ہیں کہ ہم قرآن اور دیگر آسمانی کتابوں کو نہیں مانتے لیکن قیامت کے دن جب یہ جواب دہی کیلئے اللہ کے حضور کھڑے ہوں گے تو انہیں اپنی اس مجرمانہ غلطی کا احساس ہوگا۔ اس وقت ان کے سر ندامت سے جھکے ہوں گے۔

قیامت کا یہ منظر الفاظ کی شکل میں پیش کر دیا گیا ہے تا کہ لوگ ہوش میں آئیں۔

۷۱ ۔ ''جو لوگ کمزور تھے'' سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو بڑے بن کر رہنے والوں یعنی لیڈروں اور مذہبی پیشواؤں نے اپنی گرفت میں لے رکھا تھا اور وہ ان کے پیروکار بن گئے تھے۔ قیامت کے دن وہ جس طرح ایک دوسرے کو ملامت کریں گے اور ایک دوسرے کی تردید کریں گے اس کی ایک جھلک یہاں پیش کر دی گئی ہے۔

کمزور لوگ بڑے بن کر رہنے والوں سے کہیں گے نہیں، بلکہ تمہاری رات دن کی مکاری تھی جب تم ہم سے کہتے تھے کہ اللہ سے کفر کریں اوراس کے ہمسر ٹھہرائیں۔اور جب وہ عذاب کو دیکھ لیں گے تو دل میں پشیمان ہونگے۔اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے۔وہ بدلہ میں وہی پائیں گے جو وہ کرتے رہے ہیں ۔(القرآن)

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ عَنِ
الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُمْ ۖ بَلْ كُنْتُمْ مُجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾

۳۲ بڑے بن کر رہنے والے ان کمزور لوگوں کو جواب دیں گے کہ کیا ہم نے تم کو ہدایت سے روکا تھا جب کہ وہ تمہارے پاس آ چکی تھی؟ نہیں بلکہ تم خود مجرم تھے۔

وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ
وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَنْ نَكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَنْدَادًا ۚ
وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ وَجَعَلْنَا الْأَغْلَالَ فِي
أَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٣٣﴾

۳۳ کمزور لوگ بڑے بن کر رہنے والوں سے کہیں گے نہیں، بلکہ تمہاری رات دن کی مکاری تھی جب تم ہم سے کہتے تھے کہ اللہ سے کفر کریں اور اس کے ہمسر ٹھہرائیں۔ اور جب وہ عذاب کو دیکھ لیں گے تو دل میں پشیمان ہونگے۔ اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے۔ وہ بدلہ میں وہی پائیں گے جو وہ کرتے رہے ہیں ۷۲ـ ۔

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا
أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿٣٤﴾

۳۴ ہم نے جس بستی میں بھی کوئی خبردار کرنے والا بھیجا تو اس کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ جو پیغام دے کر تم بھیجے گئے ہو، ہم اس کے منکر (انکار کرنے والے) ہیں۔ ۷۳ـ

وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿٣٥﴾

۳۵ اور انہوں نے کہا ہم تم سے زیادہ مال اور اولاد رکھتے ہیں اور ہم کو ہرگز عذاب نہیں دیا جائے گا ۷۴ـ ۔

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلَٰكِنَّ
أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٦﴾

۳۶ کہو میرا رب جس کیلئے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ ۷۵ـ

وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ
إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ
بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ ﴿٣٧﴾

۳۷ تمہارے مال اور تمہاری اولاد وہ چیز نہیں ہے جو تمہیں ہمارا مقرب بناتی ہو ۷۶ـ ۔ البتہ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیا ۷۷ـ، تو ان کے لئے ان کے اعمال کی دوہری جزا ہے اور وہ (جنت کے) بالا خانوں میں چین سے رہیں گے۔

وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ أُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ
مُحْضَرُونَ ﴿٣٨﴾

۳۸ اور جو لوگ ہماری آیتوں کو بے اثر کرنے کیلئے دوڑ دھوپ کرتے ہیں، وہ عذاب میں گرفتار کر لئے جائیں گے۔ ۷۸ـ

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ
وَيَقْدِرُ لَهُ ۚ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ ۖ
وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٣٩﴾

۳۹ کہو میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کیلئے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے ۷۹ـ ۔ اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اس کی جگہ وہ تم کو اور دیتا ہے۔ اور وہ بہترین رازق ہے ۸۰ـ ۔

۷۲۔ یعنی عوام ہوں یا لیڈر، پیرو ہوں یا پیشوا کفر کرنے کی بنا پر سب ہی سزا کے مستحق قرار پائیں گے۔عوام اپنے لیڈروں اور پیشواؤں پر گمراہ کرنے کا الزام عائد کر کے اپنی ذمہ داری سے بری نہیں ہو سکتے۔انہوں نے اللہ کی دی ہوئی عقل کا استعمال کیوں نہیں کیا اور کیوں آنکھیں بند کر کے بڑے بننے والوں کے پیچھے چلتے رہے اور کیوں انہوں نے قرآن اور پیغمبر کی باتوں پر دھیان نہیں دیا؟

۷۳۔ خوشحال لوگ دنیا پرستی میں مگن ہوتے ہیں اس لئے وہ رسول کی دعوت پر کان نہیں دھرتے۔اور جب وہ انہیں اللہ کے عذاب سے خبردار کرتا ہے تو وہ اپنی خرمستیوں کی وجہ سے اس کا انکار کرنے لگتے ہیں اور اللہ کے پیغام کو رد کر دیتے ہیں۔

۷۴۔ یعنی خوشحال لوگ اس خام خیالی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ انہیں مال و اولاد کی جو فراوانی حاصل ہے وہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ اللہ کے منظورِ نظر ہیں۔ان کے عذاب بھگتنے کا کیا سوال؟

۷۵۔ یہ ان کے خوشحال لوگوں کے دعوے کی تردید ہے کہ مال و اولاد کی فراوانی اللہ کے منظورِ نظر ہونے کی علامت نہیں ہے۔رزق میں کشادگی اور تنگی اس کی مشیت پر موقوف ہے نہ کہ اس کی رضامندی کی علامت۔وہ بندوں کے مصالح کے پیش نظر جس کو چاہتا ہے وافر رزق دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے اور دونوں صورتوں میں بندوں کی آزمائش ہوتی ہے کہ وہ شکر اور صبر کرتے ہیں یا نہیں۔مگر اس حقیقت کو بہت سے لوگ نہیں جانتے اس لئے غلط توجیہ کرنے لگتے ہیں۔

۷۶۔ یہ منکرین کے اس خیال کی تردید ہے کہ جس کے پاس مال اور اولاد کی کثرت ہے وہ خدا کا پسندیدہ اور مقرب بندہ ہے یہ چیزیں تو ان لوگوں کو بھی حاصل ہوتی ہیں جو فاسق اور فاجر اور مفسد ہوتے ہیں۔پھر اس کو تقرب الٰہی کی علامت کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے؟

۷۷۔ یعنی ایمان اور عمل صالح ہی وہ چیز ہے جس کے ذریعہ انسان اللہ کا تقرب حاصل کرتا ہے اور اس صفت کے لوگ ہی اللہ کو محبوب ہیں۔

۷۸۔ یعنی جو لوگ اللہ کے ارشادات کی مخالفت میں سرگرمی دکھا رہے ہیں ان کو لازماً سزا بھگتنی ہوگی خواہ وہ دنیا میں کتنے ہی مالدار رہے ہوں اور اولاد کا کتنا ہی بڑا جتھا ان کے ساتھ رہا ہو ان کی یہ ساری شان و شوکت دنیا ہی میں رہ جائے گی اور آخرت میں وہ عذاب کے حوالہ کر دیئے جائیں گے۔

۷۹۔ اوپر یہ مضمون گزر چکا۔اس آیت میں من عبادہ ''اپنے بندوں میں سے'' کا اضافہ ہے اور مقصود اللہ کی رزاقیت کو واضح کرنا ہے۔

۸۰۔ یعنی اللہ کی رزاقیت پر غور کرو۔وہ تمہیں مسلسل رزق دئے جا رہا ہے جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اس کے بعد ایسا نہیں ہوتا کہ تمہارے پاس کچھ نہ رہ گیا ہو بلکہ تم خرچ کرتے رہتے ہو اور وہ عطا کرتا رہتا ہے۔کتنا بہترین رزاق ہے وہ۔پھر بھی تم اس کے شکر گذار نہیں بنتے؟

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَٰؤُلَاءِ
إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿٤٠﴾

۴۰ اور وہ دن کہ جب ان سب کو وہ جمع کریگا پھر فرشتوں سے پوچھے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟ ۸۱۔

قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُونِهِمْ ۖ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ
الْجِنَّ ۖ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾

۴۱ وہ عرض کریں گے، پاک ہے تو۔ ہمارا دوست تو ہے نہ کہ یہ لوگ ۸۲۔ دراصل یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے رہے ہیں۔ ان میں سے اکثر ان ہی پر اعتقاد رکھتے تھے۔ ۸۳۔

فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا وَنَقُولُ
لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿٤٢﴾

۴۲ تو آج کے دن تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان ۸۴۔ اور ظالموں ۸۵ سے ہم کہیں گے چکھو اب آگ کے عذاب کا مزا جس کو تم جھٹلاتے تھے۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا رَجُلٌ
يُرِيدُ أَنْ يَصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُكُمْ وَقَالُوا مَا هَٰذَا
إِلَّا إِفْكٌ مُفْتَرًى ۚ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا
جَاءَهُمْ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿٤٣﴾

۴۳ ان لوگوں کو جب ہماری روشن آیتیں سنائی جاتی ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ یہ تو بس ایک آدمی ہے ۸۶، جو چاہتا ہے کہ تم کو ان چیزوں سے روک دے جن کی پرستش تمہارے باپ دادا کرتے آئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) محض من گھڑت جھوٹ ہے۔ اور ان کافروں کے سامنے جب حق آیا تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔

وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ كُتُبٍ يَدْرُسُونَهَا ۖ وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ
مِنْ نَذِيرٍ ﴿٤٤﴾

۴۴ ہم نے ان کو کتابیں نہیں دی تھیں جن کو وہ پڑھتے ہوں اور نہ تم سے پہلے ان کی طرف کوئی خبردار کرنے والا بھیجا تھا۔ ۸۷۔

وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ
مَا آتَيْنَاهُمْ فَكَذَّبُوا رُسُلِي ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٤٥﴾

۴۵ اِن سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا۔ یہ جو کچھ ہم نے ان کو دیا تھا اس کے عشر عشیر کو بھی یہ نہیں پہنچے ۸۸۔ انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا، تو دیکھو کیسی رہی میری سزا! ۸۹۔

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۖ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مَثْنَىٰ
وَفُرَادَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا ۚ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِنْ جِنَّةٍ ۚ
إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ﴿٤٦﴾

۴۶ کہو میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ اللہ کے لئے تم دو دو مل کر اٹھو اور اکیلے اکیلے بھی اور سوچو ۹۰۔ تمہارے ساتھی کو کوئی جنون نہیں ہے ۹۱۔ وہ تو ایک سخت عذاب سے پہلے تمہیں خبردار کرنے والا ہے۔

قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۖ
وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٤٧﴾

۴۷ کہو اگر میں نے تم سے کوئی اجر مانگا ہے تو وہ تمہارے ہی لئے ہے ۹۲۔ میرا اجر تو اللہ ہی کے ذمے ہے۔ اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿٤٨﴾

۴۸ کہو میرا رب حق کا القا کرتا ہے۔ وہ غیب کی تمام باتوں کا جاننے والا ہے۔ ۹۳۔

۸۱۔ یہاں قیامت کا ایک اور منظر پیش کیا گیا ہے۔ مشرکین جب میدانِ حشر میں جمع ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے سوال کریگا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟

۸۲۔ فرشتے جواب میں سب سے پہلے اللہ کی پاکی بیان کریں گے کہ تو اس بات سے منزہ ہے کہ کوئی تیرا شریک ہو۔ اور ہم نے ان گمراہوں کو دوست نہیں بنایا تھا کہ ان کی پرستش سے ہم خوش ہوتے اور ان سے اپنا تعلق جوڑتے بلکہ ہمارا دوست تو ہی تھا اور ہے۔

۸۳۔ فرشتے مزید کہیں گے کہ یہ درحقیقت جنوں کی عبادت کرتے تھے اور ان ہی کے معتقد تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر انہوں نے ہماری پرستش کی بھی تھی تو ہمارے کہنے سے نہیں بلکہ شیاطین جن کے اشارے پر کی تھی۔ وہ ان کے ایسے معتقد تھے کہ ان کے پیچھے برابر چلتے رہے اور گمراہ ہوتے رہے ہمیں ان سے کوئی سروکار نہ تھا۔ فرشتوں کا یہ بیان ان کے پرستاروں پر یہ حقیقت کھول دیگا کہ فرشتوں کو معبود بنانا اور اللہ کا شریک ٹھہرانا صحیح نہ تھا۔

۸۴۔ فرشتوں کے اس بیان کے بعد مشرکین جو ان سے شفاعت کی امید رکھتے تھے مایوس ہو جائیں گے کہ وہ ان کے کچھ کام نہ آ سکے۔ یہ ہے اللہ کو چھوڑ کر اور سہاروں پر جینے کا انجام!

۸۵۔ ظالم یعنی غلط کار' جس کا عقیدہ و عمل حق و عدل کے خلاف ہو اور اس بنا پر وہ اپنے نفس پر زیادتی کر رہا ہو۔ اس آیت میں جیسا کہ سیاق و سباق (Context) سے واضح ہے۔ ظالم سے مراد مشرک اور آخرت کے منکر ہیں۔

۸۶۔ یعنی رسول نہیں ہے۔

۸۷۔ یعنی بنی اسمٰعیل میں ۔۔۔۔۔ ان عربوں میں ۔۔۔۔۔ کتابوں کا نزول نہیں ہوا جس طرح بنی اسرائیل میں تورات، انجیل وغیرہ کا ہوا تھا۔ یہ ایک امّی قوم تھی اور کوئی پیغمبر بھی حضرت اسمٰعیل کے بعد ان میں نہیں بھیجا گیا اس لئے ایک طویل عرصہ کے بعد جو پیغمبر ان میں مبعوث ہوا ہے اور جو کتاب انہیں دی جارہی ہے اس کا انہیں قدرداں ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کا کیسا سامان کیا ہے اور وہ انہیں کتنا اونچا مقام عطا کرنا چاہتا ہے مگر یہ لوگ پیغمبر اور کتاب کی قدر کرنے کے بجائے ان کو جھوٹ اور جادو قرار دے رہے ہیں۔

۸۸۔ مراد ماضی کی وہ قومیں ہیں جن کو زبردست قوت واقتدار اور معیشت کے وافر ذرائع حاصل تھے مثلاً قومِ عاد، قوم فرعون وغیرہ۔ ان کے مقابلہ میں قریش کو نہ قوت واقتدار حاصل تھا اور نہ وہ خوشحالی۔ ان کے پاس نہ لاؤ لشکر تھا اور نہ تمدنی ترقی کا سامان اور نہ ہی وسائلِ معیشت کی فراوانی۔

۸۹۔ یعنی جب وہ طاقتور قومیں رسول کو جھٹلانے کی بنا پر عذاب سے نہ بچ سکیں تو تم رسول کو جھٹلا کر کس طرح عذاب سے بچ سکتے ہو؟ جو قوت و دولت اور سامان معیشت تمہیں حاصل ہے اس کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر رسول کی مخالفت پر آمادہ ہو جانا اپنے لئے برے انجام کو دعوت دینا ہے۔

۹۰۔ آدمی اکثر اپنے ماحول اور اپنی سوسائٹی کی رائے سے متاثر ہوتا ہے اور یہ دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ اسلئے اس آیت میں فہمائش کی گئی ہے کہ دو دو آدمی مل کر غور کریں کہ پیغمبر کی باتیں واقعی دیوانہ کی بڑ ہیں یا دانائی و بینائی کا سامان۔ وہ آپس میں سنجیدگی کے ساتھ اس پر گفتگو کر کے صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کریں نیز فرداً فرداً ہر شخص اپنے طور بھی غور کرے کہ معاملہ کی نوعیت کیا ہے۔ اگر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا تو صحیح نتیجہ پر پہنچنا مشکل نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ انہیں ضرور اس کی توفیق دے گا کیونکہ جن کو حق کی تلاش ہوتی ہے ان پر اللہ تعالیٰ ضرور حق واضح فرماتا ہے۔

۹۱۔ نبی ﷺ کی پاک سیرت اور حکمت بھرا قرآن اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آپ کسی دماغی عارضہ میں ہرگز مبتلا نہیں تھے، بلکہ آپ کی دانشمندی کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔

بقیہ صفحہ ۱۴۳ پر

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿۴۹﴾

۴۹ کہو حق آ گیا اور باطل نہ پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور نہ دوسری مرتبہ پیدا کرے گا۔ ۹۴۔

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ
فَبِمَا يُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿۵۰﴾

۵۰ کہو اگر میں گمراہ ہوگیا ہوں تو میری گمراہی کا وبال مجھ پر ہے ۹۵۔ اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو یہ اس وحی کی بنا پر ہے جو میرا رب میری طرف نازل کرتا ہے ۹۶۔ وہ سب کچھ سننے والا اور نہایت قریب ہے ۹۷۔

وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۱﴾

۵۱ اور اگر تم انہیں دیکھ لیتے جب یہ گھبرائے ہوئے ہوں گے اور بھاگ نہ سکیں گے اور قریب ہی سے پکڑ لئے جائیں گے۔ ۹۸۔

وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰی لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾

۵۲ (اُس وقت) یہ کہیں گے کہ ہم اس پر ایمان لائے ۹۹۔ اور اتنی دور سے یہ اس کو کہاں پا سکتے ہیں۔ ۱۰۰۔

وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ
مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾

۵۳ اس سے پہلے انہوں نے اس کا انکار کیا تھا۔ اور دور سے اٹکل کے تیر چلاتے رہے۔ ۱۰۱۔

وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ
اِنَّهُمْ كَانُوْا فِیْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾

۵۴ (اُس روز) ان کے اور ان کی (اس) خواہش کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی، جس طرح ان کے پیش رو ہم مشربوں کے ساتھ معاملہ کیا جا چکا ہوگا ۱۰۲۔ وہ بھی ایسے شک میں پڑے ہوئے تھے جس نے ان کو الجھن میں ڈال دیا تھا۔ ۱۰۳۔

۹۴۔ یعنی یہ بات واضح طور پر تمہارے سامنے آئی ہے کہ توحید ہی حق ہے۔ رہا باطل یعنی تمہارے خود ساختہ معبود تو وہ نہ زندگی کا آغاز کرتے ہیں اور نہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہیں پھر وہ خدا کیسے بن گئے اور عبادت کے مستحق کیسے قرار پائے!

مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ یونس نوٹ ۶۱۔

۹۵۔ جب فہمائش کیلئے بحث (جدال) کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے تو کچھ باتیں فرض کر کے بھی کہنا پڑتی ہیں تا کہ مخاطب تعصب سے بلند ہو کر سوچنے کیلئے آمادہ ہو جائے۔ یہاں ''اگر میں گمراہ ہو گیا ہوں'' کی بات اسی مناسبت سے کہی گئی ہیں۔

۹۶۔ یعنی میرا ہدایت پر ہونا میرے رب ہی کے فضل سے ہے اور اس کا فضل یہ ہے کہ اس نے مجھ پر وحی نازل کر کے ہدایت کی راہ مجھ پر کھول دی۔

۹۷۔ انسان کی گمراہی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کو بہت دور خیال کرتا ہے اور پھر ادھر اُدھر سہارے تلاش کرتا ہے۔ اگر وہ یقین کر لے کہ اللہ بہت قریب ہے اور سب کچھ سنتا ہے تو اسی سے اپنا تعلق استوار کرے اور اسی کو اپنا کارساز سمجھے۔

۹۸۔ یہاں قیامت کا ایک اور منظر پیش کیا جا رہا ہے۔ منکرین آج تو بڑے اطمینان سے حق کی مخالفت کرتے ہیں لیکن قیامت کے دن گھبراہٹ کے عالم میں ہوں گے اور بھاگنا چاہیں گے مگر بھاگ نہ سکیں گے، کیونکہ فرشتے قریب ہی میں موجود ہوں گے اور وہ انہیں پکڑ لیں گے۔ کیسا عجیب منظر ہوگا وہ ان کی بے بسی کا۔

۹۹۔ یعنی اس حق پر ایمان لائے جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا تھا۔

۱۰۰۔ یعنی ایمان لانے کا وقت گزر چکا۔ جو کام دنیا میں کرنے کا تھا وہ آخرت میں کیونکر کیا جا سکتا ہے؟ دنیا امتحان گاہ تھی اور آخرت بدلہ پانے کی جگہ۔ جب آخرت میں پہنچ گئے تو دنیا سے دوری ہو گئی۔ اور امتحان گاہ سے اتنی دور پہنچنے کے بعد ایمان کے حصول کی کوئی صورت ممکن نہیں رہی۔

۱۰۱۔ یعنی دنیا میں انہیں ایمان لانے کا موقع حاصل تھا مگر اٹکل پچو باتیں کر کے انہوں نے یہ موقع کھو دیا۔

۱۰۲۔ یعنی ان کے اور ان کی اس خواہش کے درمیان کہ وہ دنیا میں پھر لوٹائے جائیں تا کہ وہ ایمان لا سکیں رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی۔ مطلب یہ کہ ان کی یہ خواہش کبھی پوری ہونے والی نہیں اور یہی حشر ان سے پیش رو قوموں کا بھی ہو چکا ہوگا۔

۱۰۳۔ خدا، آخرت اور رسالت کے بارے میں شک میں پڑنے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اطمینان نصیب نہ ہو اور ذہن الجھ کر رہ جائے۔

بقیہ صفحہ ۱۴۱ سے آگے

۹۲۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے تم سے اجر مانگا ہی نہیں ہے۔ جو کچھ میں نے تم سے طلب کیا ہے وہ یہ ہے کہ تم اس ہدایت کو قبول کرو جو تمہارے رب نے اتاری ہے اور جس کے قبول کرنے میں تمہاری اپنی بھلائی ہے۔ میں بالکل بے لوث ہو کر تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں۔

۹۳۔ یعنی میرا رب جو باتیں بذریعہ وحی مجھ پر نازل کر رہا ہے وہ بالکل حق ہیں اور حق کیوں نہ ہوں جب کہ اسے غیب کے تمام اسرار کا علم ہے۔ اس سے زیادہ اس بات کا جاننے والا اور کون ہو سکتا ہے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا اور حق کیا ہے اور باطل کیا؟

سورۂ
فاطر

۳۵۔ فَاطِرُ

نام پہلی آیت میں لفظ 'فاطر' (پیدا کرنے والا) آیا ہے اس مناسبت سے اس سورہ کا نام 'فاطر' ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مکہ کے وسطی دور میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون اس سورہ میں اللہ کی خلاقیت کو اس کے واحد الٰہ ہونے کی بنیاد قرار دیتے ہوئے، رسالت اور آخرت کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ یہ اس کی شانِ خلاقیت کا مظہر ہیں۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۸ تمہیدی آیات ہیں جن میں اللہ کی خلاقیت اور ربوبیت کو واضح کرتے ہوئے لوگوں کو توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ ان آیات میں گویا پوری سورہ کا خلاصہ آ گیا ہے۔

آیت ۹ تا ۱۸ میں توحید اور آخرت کا تفصیلی بیان ہے اور شرک کی تردید ہے۔

آیت ۱۹ تا ۲۶ میں رسالت کا بیان ہے اور رسول پر ایمان نہ لانے والوں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

آیت ۲۷ تا ۳۸ میں واضح کیا گیا ہے کہ اللہ کی نشانیوں کے ذریعہ اس کی جو معرفت حاصل ہوتی ہے، اور کتابِ الٰہی کے ذریعہ جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ہدایت کی راہ کھول دیتا ہے، جس سے ابدی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اور اس علم و معرفت سے بے نیازی کا نتیجہ کفر ہے۔ اور اس کا انجام ابدی ہلاکت۔

آیت ۳۹ تا ۴۵ میں شرک کرنے والوں کو تنبیہ ہے۔

سُوْرَةُ فَاطِرٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا
اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱﴾

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ
فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲﴾

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ
يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳﴾

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ
الْاُمُوْرُ ﴿۴﴾

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ
الدُّنْيَا ٝ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۵﴾

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا
مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ؕ ﴿۶﴾

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۬ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ؑ ﴿۷﴾

۳۵۔ سُوْرَةُ فَاطِرٍ

آیات: ۴۵

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

[۱] حمد اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ۱؎ اور فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا ہے ۲؎، جن کے دو دو، اور تین تین اور چار چار پَر ہیں ۳؎۔ وہ تخلیق میں جس طرح چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے ۴؎۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

[۲] اللہ لوگوں کیلئے جس رحمت کا (دروازہ) کھول دے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ اور جس کو روک لے تو اس کے بعد کوئی اس کو کھولنے والا نہیں ۵؎۔ وہ غالب ہے حکمت والا۔

[۳] لوگو! تم پر اللہ کے جو احسانات ہیں انہیں یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے رزق دیتا ہو؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ۶؎۔ پھر تم کو کہاں پھیرا جا رہا ہے؟ ۷؎

[۴] اگر یہ لوگ (اے نبی!) تم کو جھٹلاتے ہیں تو تم سے پہلے بھی کتنے ہی رسول جھٹلائے جا چکے ہیں۔ اور سارے امور بالآخر اللہ ہی کے حضور پیش ہوں گے۔ ۸؎

[۵] لوگو! اللہ کا وعدہ سچا ہے ۹؎۔ لہٰذا دنیا کی زندگی تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے ۱۰؎، اور نہ وہ بڑا فریب کار ۱۱؎ تم کو اللہ کے بارے میں فریب میں رکھے۔

[۶] بلاشبہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ لہٰذا اس کو دشمن ہی سمجھو ۱۲؎۔ وہ اپنے گروہ کو (اپنی طرف) اس لئے بلاتا ہے، تاکہ وہ دوزخ والوں میں شامل ہو جائیں ۱۳؎۔

[۷] جنہوں نے کفر کیا ان کیلئے سخت عذاب ہے۔ اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کیلئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

۱۔ اللہ کا آسمانوں اور زمین کا خالق ہونا ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے اور جب وہ خالق ہے تو حمد یعنی تعریف اور شکر کا مستحق بھی وہی ہے۔ لہٰذا اسی کے گن گائے جانے چاہئیں اور اسی کا شکر گذار بن کر رہنا چاہئے۔ یہی توحید کی اصل ہے اور اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

آیت کے مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ کائنات کے پیدا کرنے پر اللہ کی ستائش ہی کی جاسکتی ہے کیونکہ یہ حسین و جمیل کائنات اس بات کا مظہر ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا بڑی خوبیوں والا ہے۔ موجودہ زمانہ کے ملحدین کہتے ہیں کہ کائنات کا کوئی خالق نہیں ہے مگر ان کا یہ دعوٰے بلا دلیل اور بالکل غیر معقول ہے۔ اگر اس کا وجود بغیر خالق کے ہوتا تو اس میں نہ تغیر ہوتا اور نہ ارتقاء اور نہ کوئی مخلوق وجود میں آتی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مادہ میں تغیرات بھی ہوتے ہیں اور یہ بھی باور کرتے ہیں کہ کائنات کا موجودہ ارتقاء مختلف مرحلوں سے گذرنے کے بعد ہوا ہے۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ زمین پر انسان کا وجود بہت بعد میں ہوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ انسان جو زمین پر سب سے اعلیٰ درجہ کی نوع ہے اور جو خشکی اور تری پر حکومت کرتا ہے یکایک کس طرح وجود میں آ گیا؟ کیا یہ کائنات اپنے اندر عقل و علم اور ارادہ و تدبیر کے اوصاف رکھتی ہے؟ ان سوالوں کا جواب ہرگز اثبات میں نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ نہ یہ ہمارا مشاہدہ ہے اور نہ اس کی تائید میں کوئی دلیل ہے۔ اس لئے خالق کے وجود سے انکار سب سے زیادہ روشن حقیقت کا انکار ہے۔

۲۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ پیغام رساں بنا کر انبیاء علیہم السلام کی طرف بھیجتا ہے جو ان پر وحی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان سے پیغام رسانی کا کام کس طرح لیا جاتا ہے اور کس کس مخلوق کی طرف ان کو قاصد بنا کر بھیجا جاتا ہے اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔

۳۔ پَر قوتِ پرواز کی علامت ہیں۔ جن فرشتوں کے جتنے زیادہ پَر ہیں ان کی گویا قوتِ پرواز اتنی ہی زیادہ ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے جبریل کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پَر تھے۔ قرآن نے یہ بیان کر کے کہ فرشتوں کے کئی پَر ہوتے ہیں انسان کے علم میں ایک قابلِ قدر اضافہ کر دیا ہے ورنہ اس کے پاس اس کے جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

۴۔ یعنی ایسا نہیں کہ اس نے جو کچھ خلق کیا اس کے بعد اب اس کے پاس خلق کرنے کیلئے کچھ نہیں ہے۔ بلکہ وہ اپنی تخلیق میں اضافہ کرتا رہتا ہے اس کی مثال انسانی آبادی میں مسلسل اضافہ ہے اور اس کی اعلیٰ مثال وہ نئی دنیا ہوگی جس کا ظہور اس کے بعد ہوگا۔

۵۔ اسی حقیقت کو نبی ﷺ نے دعائیہ کلمات میں اس طرح ادا کیا ہے:

اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَاالْجَدِ مِنْکَ الْجَدُّ۔ (مسلم کتاب الصلاۃ)

''اے اللہ تو جو کچھ دے اس کو روکنے والا کوئی نہیں اور جس چیز کو روک لے اس کو دینے والا کوئی نہیں اور تیرے مقابل کسی دولت مند کو اس کی دولت فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔''

۶۔ یعنی جو رازق ہے وہی معبود (عبادت کا مستحق) بھی ہے۔ جو رازق نہیں ہیں وہ کس طرح معبود ہو سکتے ہیں؟

۷۔ یعنی اللہ سے پھیر کر تم کو کہاں لیجایا جا رہا ہے؟ مطلب یہ کہ شیطان تمہیں بہکا کر حق سے پھیر رہا ہے۔ عقل سے کام لو اور شیطان کے بہکاوے میں نہ آؤ۔

۸۔ لہٰذا تمہاری اس نزاع کا فیصلہ بھی قیامت کے دن اللہ کی عدالت میں ہوگا اور اس وقت تمہیں پتہ چلے گا کہ تم نے اللہ کے رسول کو جھٹلا کر کتنا بڑا جرم کیا تھا۔

۹۔ مراد قیامت اور آخرت کا وعدہ ہے۔

۱۰۔ دنیا کی ظاہری کشش ایسی ہے کہ وہ انسان کی توجہ آخرت سے ہٹا کر اسے دنیا کا پرستار بنا دیتی ہے۔ یہ بہت بڑا دھوکہ ہے جس سے چوکنا رہنے

کی تاکید کی گئی ہے۔ آج بھی جب کہ انسان کی 'عقل' نے ترقی کے بڑے مدارج طے کئے ہیں وہ دنیا کی دلفریبیوں سے برابر دھوکہ کھا رہا ہے چنانچہ دنیا کی اکثریت دنیا کے سوا کسی اور دنیا کو خاطر میں لانے کیلئے تیار نہیں ہے۔

۱۱۔ ''بڑے فریب کار'' سے مراد شیطان ہے جو اپنے وسوسوں کے ذریعے انسان کو خدا کے بارے میں بہت بڑے دھوکہ میں ڈال دیتا ہے۔

۱۲۔ شیطان جیسے دشمن کو دوست سمجھنا بہت بڑی حماقت ہے۔ اس کو دشمن سمجھ کر اس کی چالوں سے ہوشیار رہنا ضروری ہے۔ قرآن نے انسان کو اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ اس کے خیالات پر خارج سے اثر انداز ہونے والے شر پسند عناصر موجود ہیں، جو اگرچہ اسے دکھائی نہیں دیتے مگر اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ یہ شیاطین ہیں جن کے شر سے بچنے کے لئے انسان کو ہر وقت چوکنا رہنا چاہئے۔

۱۳۔ یعنی جو لوگ شیطان سے دوستی کر لیتے ہیں وہ اس کے گروہ میں شامل ہو جاتے ہیں اور شیطان اپنے گروہ کو جہنم کی راہ دکھاتا ہے۔ اس کا تو مقصد ہی انسانوں کو گمراہ کرنا ہے تا کہ وہ جہنمیوں میں شامل ہو جائیں۔

اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تمہارے
جوڑے بنا دئے۔ اور کوئی عورت نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ جنتی
ہے مگر اس کے علم سے۔ کوئی عمر والا لمبی عمر نہیں پاتا اور نہ اس کی
عمر میں کمی ہوتی ہے، مگر یہ سب ایک کتاب میں درج ہے۔ یہ
اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔ (القرآن)

أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوٓءُ عَمَلِهِ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۖ فَإِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝٨

[۸] کیا وہ جس کا بُرا عمل اس کے لئے خوشنما بنا دیا گیا ہو اور وہ اسے اچھا خیال کرتا ہو (ہدایت پا سکتا ہے!) ۱۴ حقیقت یہ ہے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے تو (اے نبی!) تمہاری جان ان کے غم میں نہ گھلے ۱۵۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اس کو اللہ اچھی طرح جانتا ہے۔

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ أَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ إِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝٩

[۹] وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر ہم اس کو مُردہ خطہ کی طرف لے جاتے ہیں اور اس کے ذریعہ زمین کو جو مُردہ ہو چکی تھی زندہ کر دیتے ہیں۔ (قیامت کے دن) مُردوں کا جی اٹھنا اسی طرح ہوگا۔ ۱۶

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۚ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۚ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۖ وَمَكْرُ أُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝١٠

[۱۰] جو عزت چاہتا ہو اسے جان لینا چاہئے کہ عزت ساری کی ساری اللہ ہی کے اختیار میں ہے ۱۷۔ اس کی طرف پاکیزہ کلمہ چڑھتا ہے اور عملِ صالح کو وہ رفعت بخشتا ہے ۱۸۔ اور جو لوگ بُری چالیں چل رہے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اور ان کی چالیں تباہ ہو کر رہیں گی۔ ۱۹

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا ۚ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثٰى وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ إِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۚ إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝١١

[۱۱] اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ۲۰، پھر نطفہ سے ۲۱، پھر تمہارے جوڑے بنا دئے۔ اور کوئی عورت نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے۔ کوئی عمر والا ۲۲ لمبی عمر نہیں پاتا اور نہ اس کی عمر میں کمی ہوتی ہے، مگر یہ سب ایک کتاب میں درج ہے۔ یہ اللہ کیلئے بہت آسان ہے۔ ۲۳

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهُ وَهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۖ وَمِنْ كُلٍّ تَأْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۖ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝١٢

[۱۲] اور دونوں دریا یکساں نہیں ہیں۔ ایک شیریں، پیاس بجھانے والا اور پینے میں خوشگوار ہے اور دوسرا کھاری کڑوا۔ اور تم دونوں سے تازہ گوشت (نکال کر) کھاتے ہو ۲۴ اور زینت کی چیزیں نکالتے ہو جن کو تم پہنتے ہو ۲۵۔ اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں اس کو چیرتی ہوئیں چلی جاتی ہیں تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو ۲۶ اور تاکہ تم اس کے شکر گزار بنو۔

۱۴۔ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ آدمی جب برائی کو اچھائی سمجھ کر کرنے لگتا ہے تو اس کا باز آنا ممکن نہیں ہوتا، جب تک کہ وہ برائی کو برائی نہ سمجھ لے۔ اور اللہ کا قانون ضلالت یہ ہے کہ جس شخص کو اپنی برائیاں بھلی معلوم ہونے لگتی ہیں ہدایت کی راہ اس پر بند کر دی جاتی ہے اور اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے کہ بھٹکتا رہے۔

۱۵۔ یعنی جب انہیں اپنے برُے عمل پر اصرار ہے اور وہ گمراہی سے نکلنا نہیں چاہتے تو تم ان کا غم کہاں تک کرو۔ بہتر ہے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ کہف نوٹ ۷۔

۱۶۔ یعنی جس طرح بارش ہوتے ہی زمین سے نباتات نکلنے لگتی ہیں اور اس کی سرسبزی کو دیکھ کر ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ مُردہ زمین زندہ ہو گئی ، اسی طرح قیامت کے دن جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو مُردے زندہ ہو کر زمین سے نکل پڑیں گے۔

۱۷۔ یعنی عزت دینا اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

۱۸۔ پاکیزہ کلمہ سے مراد کلمہ طیبہ 'لا الہ الا اللہ' ہے جو کلمہ توحید ہے۔ اس کے اللہ کی طرف چڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے تقرب کا ذریعہ ہے اور عملِ صالح کو رفعت بخشنے کا مطلب اس کو قبولیت کا اعزاز بخشنا ہے۔ یہاں خاص طور سے یہ واضح کرنا مقصود ہے، کہ عزت غیر اللہ کے پاس نہیں ہے اور نہ وہ ان کی پرستش کر کے حاصل کی جا سکتی ہے، بلکہ عزت اللہ کے پاس ہے اور وہ ایمان اور عمل صالح ہی کے ذریعہ حاصل کی جا سکتی ہے۔

۱۹۔ یعنی جو لوگ حق کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور طرح طرح کی سازشیں کر رہے ہیں ان کو بالآخر ناکامی کا منہ دیکھنا ہوگا۔ جب نتائج کے ظہور کا وقت آئے گا سارے منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔

۲۰۔ یعنی نوعِ انسانی کی پیدائش کا آغاز مٹی سے کیا۔ آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔

۲۱۔ پھر آدم کی نسل کا سلسلہ نطفہ پانی کی حقیر بوند سے چلایا۔

۲۲۔ یعنی کسی کی عمر کو دراز کرنا اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور اس سلسلہ میں اس کے فیصلے ایک نوشتہ میں درج ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عمر کی کمی وبیشی میں غیر اللہ کا کوئی دخل نہیں ہے۔

۲۳۔ یعنی بے شمار انسانوں کی عمریں مقرر کرنا اور ان کو ضبطِ تحریر میں لانا اللہ کیلئے کچھ بھی مشکل نہیں۔

۲۴۔ یعنی میٹھے پانی (دریا) سے بھی مچھلی حاصل کرتے ہو اور کھارے پانی (سمندر) سے بھی۔

۲۵۔ جیسے موتی اور مرجان اور بعض دریاؤں سے ہیرے اور سونا بھی برآمد ہوتا ہے۔ دریاؤں کی لائی ہوئی ریت میں سونے کے ذرات پائے جاتے ہیں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں یہ وضاحت ہے کہ:

"Alluvial deposits of native gold found in or along streams were the Principal sources of the metal for the ancient civilization of the Middle East."

" The alluvial deposits mined by placer methods are the gold- bearing sands and gravel that have been deposited by rapidly moving streams and other rivers at places where they widen or for some other reason lose speed." (The New Ency .Britannica Vol .8 P. 237)

اور ہیرے کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی میں یہ صراحت موجود ہے کہ یہ دریا کی جمی ہوئی تہوں میں پائے جاتے ہیں۔

"but a significant amount (of diamonds) comes from individual operations from stream-bed deposits in Sierra Leone, Ghana , and the Union of South Africa.'(Mc Grow-Hill Ency. of Sience & Technology-New york Vol. 4 P. 164)

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ نحل نوٹ ۲۴۔

۲۶۔ یعنی تجارتی سفر کر کے معاش حاصل کرو جو اللہ کا فضل ہے۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿۱۳﴾

۱۳ وہ دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور رات کو دن میں ۲۷؎ ۔ اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے۔ ہر ایک ایک وقتِ مقررہ تک کے لئے رواں ہے ۲۸؎ ۔ وہی اللہ تمہارا رب ہے۔ اسی کی بادشاہی ہے ۲۹؎۔ اس کو چھوڑ کر تم جن کو پکارتے ہو وہ ایک 'قطمیر' ۳۰؎ جتنا بھی اختیار نہیں رکھتے۔

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاۗءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾

۱۴ اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار سن نہیں سکتے اور اگر سن بھی لیں تو اس کے جواب میں تمہارے لئے کچھ کر نہیں سکتے۔ اور قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کریں گے ۳۱؎ ۔ اور اس باخبر کی طرح تمہیں (اصل حقیقت) کوئی نہیں بتلا سکتا۔ ۳۲؎

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾

۱۵ لوگو! تم ہی اللہ کے محتاج ہو۔ اللہ تو بے نیاز (بے محتاج) اور خوبیوں والا ہے حمد کا مستحق۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾

۱۶ وہ چاہے تو تمہیں ختم کر دے اور ایک نئی مخلوق لا کھڑی کر دے۔ ۳۳؎

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾

۱۷ ایسا کرنا اللہ کیلئے کچھ بھی مشکل نہیں۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

۱۸ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا ۳۴؎۔ اور اگر کوئی بوجھ سے لدا ہوا شخص اپنا بوجھ اٹھانے کیلئے کسی کو پکارے گا تو کوئی بھی اس کے بوجھ کا کوئی حصہ اپنے سر نہ لے گا خواہ وہ اس کا قرابت دار ہی کیوں نہ ہو۔ (اے نبی!) تم ان ہی لوگوں کو خبردار کر سکتے ہو جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں ۳۵؎۔ اور جو پاکیزگی اختیار کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے کرتا ہے ۳۶؎ ۔ اور پہنچنا سب کو اللہ ہی کے حضور ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾

۱۹ اندھا اور بینا دونوں یکساں نہیں ہیں۔ ۳۷؎

وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾

۲۰ نہ تاریکیاں اور روشنی یکساں ہے۔ ۳۸؎

وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾

۲۱ نہ چھاؤں اور دھوپ یکساں ہے۔ ۳۹؎

وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاۗءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾

۲۲ اور نہ زندہ اور مُردے یکساں ہیں ۴۰؎۔ اللہ جن کو چاہتا ہے سنواتا ہے ۴۱؎ ۔ اور تم ان کو سنا نہیں سکتے جو قبروں کے اندر ہیں۔ ۴۲؎

۲۷۔ تشریح کیلئے ملاحظہ ہو سورۂ آلِ عمران نوٹ ۳۹۔

۲۸۔ تشریح کیلئے ملاحظہ ہو سورۂ رعد نوٹ ۸ ۔

۲۹۔ یعنی اس کی حکومت انسان سمیت پوری کائنات پر چھائی ہوئی ہے اور اسی کے احکام نافذ ہوتے ہیں۔

۳۰۔ قطمیر اس جھلی کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کے اوپر ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ادنیٰ اختیار بھی نہیں رکھتے۔

۳۱۔ قیامت کے دن اپنے پرستاروں کے شرک کا انکار، اس سے بیزاری ظاہر کرنے والے وہ فرشتے اور بزرگ انسان ہوں گے جن کو حاجت روائی، مشکل کشائی اور فریادرسی کیلئے پکارا جاتا تھا۔ ان ہی کے بارے میں یہاں فرمایا گیا ہے کہ اول تو یہ پکارنے والے کی پکار سنتے نہیں اور اگر سن بھی لیں تو نہ حاجت روائی کر سکتے ہیں اور نہ فریادرسی۔ فرشتے جن کاموں پر مامور کئے گئے ہیں ان کا دائرۂ عمل اسی حد تک ہے۔ اس سے آگے ان کے بس میں نہیں ہے کہ جو شخص جہاں سے بھی ان کو پکارے وہ اس کی پکار کو سن لیں اور اس کی مدد کو پہنچیں۔ اور اگر بالفرض سن لیں تو وہ اس کی حاجتیں ہرگز پوری نہیں کر سکتے۔ رہیں بزرگ انسانوں کی روحیں تو ان کے بارے میں بھی یہ خیال کہ وہ ہر پکارنے والے کی پکار سنتے ہیں بالکل بے بنیاد اور سراسر باطل ہے۔ وہ عالم برزخ میں رہ کر نہ کسی کی فریاد سنتے ہیں اور نہ اس کی مدد اور حاجت روائی کو پہنچتے ہیں۔

کوئی وجہ نہیں کہ آیت کے مفہوم کو بت پرستوں کی تردید کی حد تک محدود سمجھ لیا جائے بلکہ اس کے وسیع تر مفہوم میں ہر قسم کی بزرگ پرستی اور قبر پرستی بھی شامل ہے۔ لہٰذا جو مسلمان یا علی المدد! اور یا غوث (عبدالقادر جیلانی) المدد! کے نعرے لگاتے ہیں وہ صریح شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور ان بزرگوں کا ان کی مدد کو پہنچنا تو درکنار وہ ان کی پکار سرے سے سنتے ہی نہیں۔ اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب یہ بزرگ اپنی زندگی میں ہر پکارنے والے کی پکار سنتے نہیں تھے اور نہ ان کی فریاد کو پہنچنا ان کے بس میں تھا تو قبر میں پہنچنے کے بعد یکایک ان میں یہ قوت کہاں سے پیدا ہوگئی؟

۳۲۔ یعنی ان باتوں کی خبر جو عالم بالا اور غیب سے تعلق رکھنے والی ہیں ایک خبیر ہستی ہی دے سکتی ہے اور وہ خبیر ہستی اللہ ہی ہے۔ اس کے سوا اور کوئی نہیں جو تمہیں وہاں کی صحیح خبریں دے۔ لہٰذا اللہ اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعہ غیب کی جو خبریں دے رہا ہے ان پر یقین کرو اور ان لوگوں کی باتوں کو چھوڑ دو جو محض قیاس سے غیب کی باتیں کرتے ہیں۔

۳۳۔ یعنی یہ نہ سمجھو کہ تمہارا وجود زمین پر برقرار رکھنے میں اللہ کی کوئی غرض ہے۔ وہ بے نیاز ہے اور کوئی اس کی تعریف کرے یا نہ کرے وہ لائق ستائش ہی ہے۔ وہ چاہے تو پوری انسانیت کو صفحۂ ہستی سے مٹا سکتا ہے اور اس کی جگہ نئی مخلوق لا سکتا ہے۔

۳۴۔ یعنی قیامت کے دن گناہوں کا بوجھ اٹھانے والا۔

تشریح کے لئے دیکھئے سورہ بنی اسرائیل نوٹ ۱۸۔ اور سورہ عنکبوت نوٹ ۱۸۔

۳۵۔ یعنی تمہارے خبردار کرنے کا فائدہ وہی لوگ اٹھا سکیں گے جو اللہ سے بے خوف نہیں ہیں بلکہ اپنے اندر اس کا خوف رکھتے ہیں اور نماز کو جو اللہ کی خشیت (خوف) کا مظہر ہے قائم کرتے ہیں۔

۳۶۔ یعنی عقیدہ و عمل کی پاکیزگی (تزکیہ) اختیار کرنے کا فائدہ اسی کو پہنچتا ہے جو یہ وصف اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔ اور قرآن کا اپنے مخاطب سے یہی مطالبہ ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے عقیدہ و عمل کو پاکیزہ بنانے کی فکر کرے۔

آیت سے یہ بھی واضح ہوا کہ اللہ کا ڈر اور نماز کا اہتمام آدمی کو تزکیہ (پاکیزگی) کی راہ پر ڈال دیتا ہے اور پھر اس کیلئے ایک صاف ستھری زندگی بسر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

۳۷۔ یعنی جب اندھا اور آنکھوں والا یکساں نہیں ہے تو بے بصیرت اور بصیرت مند دونوں کس طرح یکساں ہو سکتے ہیں؟ اور جب دونوں اپنے عمل کے اعتبار سے یکساں نہیں ہوتے تو دونوں کا انجام کیسے یکساں ہو سکتا ہے؟

۳۸۔ یعنی جب تاریکیاں اور روشنی برابر نہیں ہو سکتے تو جہالت کی تاریکیاں اور علم کی روشنی دونوں کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔

۳۹۔ یعنی جب چھاؤں اور دھوپ یکساں نہیں ہو سکتے تو نیکی کی ٹھنڈک اور گناہ کی تپش دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ اثرات کے اعتبار سے لازماً دونوں میں فرق ہے۔

۴۰۔ یعنی جب زندہ اشخاص اور مردہ اشخاص یکساں نہیں ہیں تو وحی الٰہی سے حیاتِ تازہ پانے والا اور اس کے فیض سے محروم ہو کر اپنے ضمیر کو مردہ کرنے والا یکساں کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اور جب یکساں نہیں ہیں تو انجام بھی دونوں کا مختلف ہونا چاہئے۔ اور یہ صورتِ واقعہ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ انسانوں کا رب ایک دن عدالت برپا کرے اور جزا و سزا کا معاملہ ظہور میں آئے۔

۴۱۔ یعنی حق بات وہی لوگ سنتے ہیں اور قبول کرتے ہیں جن کو اللہ اس کی توفیق دیتا ہے۔ اور وہ ایسے لوگوں کو اس کی توفیق نہیں دیتا۔ جن کے دل مُردہ ہو چکے ہیں۔

۴۲۔ یعنی اے پیغمبر! جس طرح تم ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبر میں دفن ہو چکے اسی طرح تم ان لوگوں کو بھی نہیں سنا سکتے جن کے دل مُردہ ہو چکے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مُردہ دل انسانوں پر تمہاری نصیحت اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ نصیحت پذیری کیلئے دل کا زندہ اور شعور کا بیدار ہونا ضروری ہے۔

یہاں مُردوں کے نہ سننے کی بات اگرچہ مثال کی پیرایہ میں بیان ہوئی ہے لیکن مثال حقیقتِ واقعہ ہی کی ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مُردوں کو جو قبر میں مدفون ہیں، سنانا کسی شخص کے بس کی بات نہیں، یہاں تک کہ پیغمبر بھی انہیں نہیں سنا سکتا۔ اور جب قبر والوں کو سنایا ہی نہیں جا سکتا تو جو لوگ ان سے فریاد کرتے ہیں وہ ایک لغو حرکت کرتے ہیں۔ یہ آیت مزید قبر پرستی کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔

مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ نمل نوٹ ۱۱۸۔

جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے
ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ
اور علانیہ خرچ کرتے ہیں، وہ ایک ایسی تجارت کی امید رکھتے
ہیں جس میں ہرگز خسارہ نہ ہوگا ۔(القرآن)

اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾

۲۳ تم تو بس خبردار کرنے والے ہو۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ؕ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾

۲۴ ہم نے تم کو (اے پیغمبر!) حق کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر۔ اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی خبردار کرنے والا نہ آیا ہو۔ ۴۳؎

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾

۲۵ اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگ بھی (رسولوں کو) جھٹلا چکے ہیں۔ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل، صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔ ۴۴؎

ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾ ع

۲۶ پھر جن لوگوں نے کفر کیا ان کو میں نے پکڑ لیا، تو دیکھ لو کیسی تھی میری سزا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾

۲۷ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے ۴۵؎ اور اس کے ذریعے پھل پیدا کرتا ہے جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ اور پہاڑوں میں بھی سفید اور سُرخ مختلف رنگوں کے خطے ہیں ۴۶؎ اور گہرے سیاہ بھی۔

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

۲۸ اسی طرح انسانوں، جانوروں، اور چوپایوں کے رنگ بھی مختلف ہیں ۴۷؎۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں ۴۸؎۔ بلاشبہ اللہ غالب معاف کرنیوالا ہے۔ ۴۹؎

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾

۲۹ جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں ۵۰؎ اور نماز قائم کرتے ہیں ۵۱؎ اور جو کچھ رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں ۵۲؎، وہ ایک ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جس میں ہرگز خسارہ نہ ہوگا ۵۳؎۔

لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾

۳۰ تاکہ وہ ان کو، ان کا پورا پورا اجر دے اور اپنے فضل سے مزید عطا کرے۔ یقیناً وہ مغفرت فرمانے والا اور قدرداں ہے۔ ۵۴؎

وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾

۳۱ اور (اے نبی!) ہم نے جو کتاب تمہاری طرف وحی کی ہے وہی حق ہے ۵۵؎، ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی جو اس سے پہلے آچکی ہیں ۵۶؎۔ یقیناً اللہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا اور دیکھنے والا ہے۔ ۵۷؎

۴۳؎ یعنی اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کا ایسا سامان کیا، کہ کسی قوم کو بھی تاریکی میں بھٹکنے کے لئے نہیں چھوڑا۔ اس نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا، جس نے اس قوم کو قیامت کے دن اور اللہ کی نافرمانی کے انجام سے خبردار کیا۔ قرآن نے متعدد قوموں کا ذکر اور ان کی طرف جو رسول بھیجے گئے تھے ان کے ناموں کی صراحت کے ساتھ کیا ہے۔ لیکن جن قوموں کا ذکر نہیں کیا ہے ان کے بارے میں ہمارے پاس یہ جاننے کا کوئی یقینی ذریعہ نہیں ہے کہ ان کی طرف کون رسول بھیجے گئے تھے۔ اس لئے ہم یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان قوموں کی فلاں اور فلاں شخصیتیں رسول تھیں۔ قرآن نے فارس کی مجوس قوم کا ذکر کیا ہے، لیکن اس کی طرف کس کو رسول بنا کر بھیجا گیا تھا اس کی صراحت نہیں کی۔ اس لئے ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم زرتشت کو نبی یا رسول قرار دیں۔ اسی طرح ہندو قوم کے بارے میں ہم یقینی طور سے نہیں کہہ سکتے کہ ان کی فلاں اور فلاں شخصیتیں نبی یا رسول تھیں۔ کسی کو نبی یا رسول علم و یقین کی بنیاد پر ہی قرار دیا جا سکتا ہے نہ کہ قیاس اور گمان کی بنا پر، کیونکہ یہ مسئلہ عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے اور عقیدہ کی بنیاد واضح حجت پر ہوتی ہے۔ اس بحث میں پڑنے کی ضرورت اس لئے بھی باقی نہیں رہی کہ حضرت محمد ﷺ دنیا کی تمام قوموں کی طرف رسول اور نذیر بنا کر بھیجے گئے ہیں اور آپ کی لائی ہوئی کتاب (قرآن) ہدایت و رہنمائی کے لئے موجود ہے نیز آپ کی امت (امت مسلمہ) کو برپا کیا گیا ہے تاکہ وہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پیغامِ حق پہنچائے اور لوگوں کو دین حق کی دعوت دے۔

۴۴؎ یعنی ایسے دلائل لے کر آئے تھے جو ان کی رسالت کا واضح ثبوت تھے۔ ان رسولوں میں ایسے بھی تھے جن کو صحیفے دئے گئے تھے مثلاً حضرت ابراہیم، اور ایسے بھی تھے جن کو کتابیں دی گئی تھیں، مثلاً حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ۔ صحیفہ اور کتاب میں فرق یہ ہے کہ صحیفہ مختصر ہوتا ہے اور کتاب تفصیلی۔

۴۵؎ آسمان سے پانی برسانے کا مطلب آسمان کی جانب سے یعنی اوپر سے پانی برسانا ہے۔

۴۶؎ یعنی پہاڑوں میں سفید پتھر کے بھی خطے ہوتے ہیں، جیسے سنگِ مرمر اور سرخ رنگ کے بھی۔ چنانچہ راجستھان میں سرخ رنگ کے پہاڑ ہیں اور دہلی کی جامع مسجد اور لال قلعہ کی تعمیر سرخ پتھر ہی سے ہوئی ہے۔

۴۷؎ یعنی رنگوں کا یہ اختلاف اللہ کے کمال قدرت کو ظاہر کرتا ہے اس نے جو چیز بھی بنائی اس کے مختلف نمونے پیش کر دیئے تاکہ ان کو دیکھ کر ذہن خدا کی طرف منتقل ہو۔ اگر یہ کائنات بے خدا ہوتی تو اس کی تخلیق میں یہ گونا گونی نہیں ہو سکتی تھی۔

۴۸؎ علم رکھنے والوں سے مراد اللہ کی معرفت رکھنے والے ہیں۔ یعنی جو لوگ خدا شناش ہوتے ہیں وہ اللہ کی عظمت کے تصور ہی سے کانپ اٹھتے ہیں۔ ہر طرف پھیلی ہوئی اللہ کی نشانیوں کو جب وہ آنکھیں کھول کر دیکھتے ہیں تو ان کو اس کی صفات کے جلوے دکھائی دیتے ہیں اور اللہ کی صفات کا صحیح علم خشیت پیدا کرتا ہے۔ یہ حقیقی علم ہے اور جو شخص اس علم میں جتنی ترقی کرتا ہے اتنا ہی زیادہ وہ اللہ سے ڈرنے والا ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی خشیت ہی ہے جو انسان کے اندر ایمان اور عمل صالح کی روح پھونک دیتی ہے۔ بخلاف اس کے جو شخص اللہ کی معرفت سے بے بہرہ ہے وہ جاہل مطلق ہے خواہ دنیوی علوم وفنون کا ماہر ہی کیوں نہ ہو۔

۴۹؎ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اللہ کے جو بندے خشیت اختیار کریں گے ان کے قصوروں کو وہ زبردست ہونے کے باوجود معاف کر دے گا۔

۵۰؎ تلاوت کی تشریح کیلئے ملاحظہ ہو سورۂ عنکبوت نوٹ ۸۳؎۔

۵۱؎ نماز قائم کرنے کا مطلب محض خارجی طور سے اہتمام کرنا نہیں، بلکہ اس کو پابندی کے ساتھ اور ٹھیک ٹھیک ادا کرنا ہے۔ یہ سورہ مکی ہے اور مکہ میں اقامتِ صلوٰۃ کے داخلی پہلوؤں ہی پر اصل زور تھا، کیونکہ خارجی اہتمام کے زیادہ مواقع نہیں تھے۔ البتہ جب مدینہ میں یہ مواقع حاصل ہوئے تو مسجدیں بھی تعمیر کی گئیں اور اذان اور جماعت کا بھی اہتمام کیا گیا۔

لغت میں بھی اقامتِ صلوٰۃ کے معنی مداومت اور محافظت بیان کئے گئے ہیں۔لسان العرب میں ہے:

واَقَامَ الشیءَ اَدَامَہٗ مِن قولِہٖ تعالیٰ وَیُقِیمُونَ الصَّلوٰۃَ۔(ج ۱۲ صفحہ ۴۹۸)

''کسی چیز کو قائم کرنے کے معنی اس پر مداومت اختیار کرنے کے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد''نماز قائم کرتے ہیں''اسی مفہوم میں ہے۔''

اور مفردات راغب میں ہے:

یُقِیمُوْنَ الصَّلوٰۃ ای یُدِیمُونَ فِعْلَھَا وَیُحَافِظُونَ عَلَیْھَا۔(ص ۴۲۸)

''نماز قائم کرتے ہیں یعنی ہمیشہ یہ عمل کرتے ہیں اور اور نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔''

واضح ہوا کہ اقامت صلوٰۃ میں بنیادی اہمیت اس بات کی ہے کہ آدمی اس کو ہمیشہ اور صحیح طریقہ پر ادا کرتا رہے۔

۵۲۔ اللہ کی راہ میں پوشیدہ خرچ کرنا بہتر ہے لیکن جہاں ضرورت ہو علانیہ خرچ کرسکتا ہے۔

۵۳۔ یعنی وہ اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اخروی نفع کی امید رکھتے ہیں۔

۵۴۔ اللہ قدرداں ہے لہٰذا خلوص کے ساتھ جو انفاق کیا جائے گا اور اس کیلئے جو قربانیاں دی جائیں گی ان کی اللہ تعالیٰ قدر فرمائے گا۔

۵۵۔ یعنی یہ کتاب بالکل حق ہے اس میں باطل کی کہیں سے بھی آمیزش نہیں ہوئی ہے اس لئے اس کی پیروی حق کی پیروی ہے۔

۵۶۔ مراد تورات اور انجیل ہیں۔قرآن ان کی تصدیق اس معنی میں کرتا ہے کہ یہ کتابیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھیں اور اس معنی میں بھی کہ ان کی تعلیم بھی وہی تھی جو قرآن کی تعلیم ہے۔ نیز اس معنی میں بھی کہ ان کتابوں میں جو پیشین گوئیاں نبی امی کے بارے میں موجود ہیں ان کا مصداق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ بالفاظ دیگر آپ کی رسالت سے تورات و انجیل کی پیشین گوئیاں سچ ثابت ہوتی ہیں اور یہ ان کتابوں کی سچائی کا ثبوت ہے۔

واضح رہے کہ قرآن اصل تورات اور انجیل کی تصدیق کرتا ہے۔ یہود اور نصاریٰ نے ان میں جو تحریف کی ہے اور جو اضافے کئے ہیں ان کی نہیں۔

۵۷۔ لہٰذا اب وہ دیکھے گا کہ اس کے بندے اس کتابِ حق کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔

اسی نے تم کو زمین میں خلیفہ (با اختیار) بنایا ہے۔تو جو کفر
کرے گا اس کے کفر کا وبال اُسی پر پڑیگا۔اور کافروں کے
لئے ان کا کفر، ان کے رب کے نزدیک اس کے غضب ہی
کو بڑھانے والا ہوگا۔اور کافروں کے لئے ان کا کفر، ان
کے خسارہ ہی میں اضافہ کرے گا۔(القرآن)

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ
فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ
بِالْخَيْرٰتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿٣٢﴾

٣٢ پھر ہم نے کتاب کا وارث بنایا ان کو، جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کیا۔ تو کوئی ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے، تو کوئی میانہ رو ہے۔ اور کوئی اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہے ۵۸؎۔ یہ بہت بڑا فضل ہے۔ ۵۹؎

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ
ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿٣٣﴾

٣٣ ہمیشگی کے باغ ہیں جن میں یہ داخل ہوں گے ٦٠؎۔ وہاں انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے۔ اور اس میں ان کا لباس ریشم ہوگا۔ ٦١؎

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۗ إِنَّ رَبَّنَا
لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ﴿٣٤﴾

٣٤ وہ کہیں گے شکر ہے اللہ کا جس نے ہم سے غم دور کر دیا ٦٢؎۔ ہمارا رب بڑا بخشنے والا ہے قدر فرمانے والا ہے۔ ٦٣؎

الَّذِيْٓ أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا
نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿٣٥﴾

٣٥ جس نے ہمیں اپنے فضل سے اس اقامت کے گھر میں ٹھہرایا۔ یہاں نہ ہمیں کوئی مشقت پیش آتی ہے اور نہ تکان لاحق ہوتی ہے۔ ٦٤؎

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا
وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ
كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿٣٦﴾

٣٦ اور جنہوں نے کفر کیا ٦٥؎، ان کیلئے جہنم کی آگ ہے۔ نہ ان کو قضا آئے گی کہ مرجائیں ٦٦؎ اور نہ ان سے اس کا عذاب ہلکا کر دیا جائے گا۔ اس طرح ہم بدلہ دیں گے ہر ناشکرے کو۔ ٦٧؎

وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا
غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۗ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ
مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۖ فَذُوْقُوْا
فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿٣٧﴾

٣٧ اور وہ اس میں چیخ چیخ کر کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نکال۔ اب ہم اچھا عمل کریں گے۔ ان اعمال سے مختلف جو ہم کرتے رہے ٦٨؎۔ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ کوئی یاددہانی حاصل کرنا چاہتا تو یاددہانی حاصل کرسکتا تھا ٦٩؎۔ اور تمہارے پاس خبردار کرنے والا بھی آ گیا تھا ٧٠؎۔ اب مزا چکھو۔ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ
الصُّدُوْرِ ﴿٣٨﴾

٣٨ اللہ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جاننے والا ہے۔ وہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کو بھی جانتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۖ
وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۖ وَلَا يَزِيْدُ
الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿٣٩﴾

٣٩ اسی نے تم کو زمین میں خلیفہ ٧١؎ (بااختیار) بنایا ہے۔ تو جو کفر کرے گا اس کے کفر کا وبال اُسی پر پڑیگا ٧٢؎۔ اور کافروں کیلئے ان کا کفر، ان کے رب کے نزدیک اس کے غضب ہی کو بڑھانے والا ہوگا اور کافروں کے لئے ان کا کفر، ان کے خسارہ ہی میں اضافہ کرے گا۔

۵۸۔ یعنی اس کتاب کو پیغمبر پر نازل کرکے اس کا وارث اس کی اُمّت کو بنایا۔ کتاب سے مراد قرآن ہے اور اس کا وارث بنانے کا مطلب اس کا حامل بنانا ہے۔ اور ''اپنے بندوں میں سے جن کو منتخب کیا'' سے مراد امتِ مسلمہ ہے جس کا انتخاب دینِ حق کی شہادت (گواہی دینے) کیلئے ہوا ہے:

وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ۔ (البقرہ۔ ۱۴۳)

''اور اس طرح ہم نے تم کو امتِ وسط بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔''

اور دوسری جگہ فرمایا:

ھُوَاجْتَبٰکُمْ (حج۔۷۸) ''اس نے تمہیں چن لیا ہے۔''

یہ انتخاب اور چنناب حیثیت گروہ کے ہے اور اس گروہ کو اس لئے منتخب کیا گیا ہے تاکہ کتاب اس کو عطا کی جائے اور وہ اس کی حامل بنے۔ یہ گروہ اس شرف سے تو نوازا گیا ہے، لیکن اس کے افراد کا حال مختلف ہے، اس میں ایسے بھی ہیں جو غلط روی اختیار کرکے اپنے ہی نفس پر ظلم ڈھا رہے ہیں۔ انہوں نے نہ اس کتاب کی قدر کی اور نہ اپنے اس شرف کا لحاظ کیا، جو انہیں امتِ مسلمہ میں شامل ہونے کی حیثیت سے حاصل ہوا تھا۔ قرآن ایسے لوگوں کو ظالم کہتا ہے اس لئے وہ درحقیقت اس شرف کے مستحق نہیں ہیں جو امتِ مسلمہ کو بخشا گیا ہے۔ اور امتِ مسلمہ میں دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو مُقْتَصِد یعنی اعتدال پسند اور میانہ رو ہیں۔ مراد ایمان کے ساتھ نیک عمل کرنے والے لوگ ہیں سورۂ مائدہ آیت ۶۶ میں اُمَّۃٌ مُّقْتَصِدَۃٌ ''میانہ رو گروہ'' ان لوگوں کو کہا گیا ہے جو فاسق نہیں ہیں۔ اور امتِ مسلمہ میں تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔ یعنی نیک کاموں میں آگے اور دین کی جدوجہد میں سرگرم رہنے والے ہیں۔ یہ عام صالحین سے اونچا مقام رکھنے والے اور اوّل درجہ کے لوگ ہیں۔

۵۹۔ یعنی کتابِ الٰہی کا صحیح معنی میں حامل بننا بہت بڑی سعادت کی بات ہے اور جن لوگوں کو یہ سعادت حاصل ہوئی ان پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہوا۔

۶۰۔ یعنی جنت کے جاودانی باغ۔ یہ جزا جیسا کہ کلام کے رُخ (Tenor of the speech) سے نیز قرآن کی دوسری تصریحات سے واضح ہے۔ اخیر کے دو گروہوں یعنی صالحین اور سابقین کی بیان ہوئی ہے۔ رہا پہلا گروہ یعنی اپنے نفس پر ظلم کرنے والے تو وہ اپنے عقیدہ و عمل کے مطابق سزا کے مستحق ہیں، جس کی صراحت قرآن نے دوسرے مقامات پر کی ہے۔ مثلاً کسی مؤمن کو عمداً قتل کرنے کی سزا جہنم ہے۔ جیسا کہ سورۂ نساء کی آیت ۹۳ میں بیان ہوا ہے۔ اسی طرح اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والوں کو بھی جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔

وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ یَتَعَدَّ حُدُوْدَہٗ یُدْخِلْہُ نَارًا خَالِدًا فِیْھَا وَ لَہٗ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ۔ (نساء۔ ۱۴)

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کے مقرر کئے ہوئے حدود سے تجاوز کریگا۔ اسے وہ آگ میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کیلئے رسوا کن عذاب ہے۔''

پھر اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں میں فاسق بھی ہو سکتے ہیں اور منافق بھی۔ اس لئے قرآن یہاں جنت کی جو خوشخبری دے رہا ہے اس کو ان لوگوں سے متعلق قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا، مگر متعدد مفسرین نے اس خوشخبری میں ان لوگوں (اپنے نفس پر ظلم ڈھانے والوں) کو شامل کرکے آیت کی غلط توجیہ کی ہے۔ جنت کی جو جزاء یہاں بیان ہوئی ہے تقریباً ان ہی الفاظ میں سورۂ حج میں بیان ہوئی ہے اور اس صراحت کے ساتھ کہ یہ ان لوگوں کی جزاء ہے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْھَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَھَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا وَ لِبَاسُھُمْ فِیْھَا حَرِیْرٌ۔ (حج۔۲۳)

''اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اللہ انہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی، ان کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی کے زیور پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس وہاں ریشم کا ہوگا۔''

اور جن حدیثوں کو اس بات کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے کہ آیت میں جنت کی جو خوشخبری سنائی گئی ہے وہ اس امت کے ظالم گروہ کیلئے بھی ہے وہ حدیثیں صحیح نہیں ہیں۔ مثلاً ترمذی کی ابوسعید خدری والی حدیث کہ اس کی اسناد میں دو راوی مجہول ہیں یعنی ان کے نام ہی سرے سے مذکور نہیں۔ ثقیف کے ایک شخص سے سنا اور کنانہ کے ایک شخص سے مروی ہے کہنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ (ترمذی ابواب التفسیر۔ تفسیر سورۃ الملائکۃ)۔ (فاطر)

ظاہر ہے جب راوی ہی معلوم نہیں ہے تو روایت کس طرح صحیح قرار دی جاسکتی ہے۔ اسی طرح احمد بن حنبل نے ابوالدرداء سے جو حدیث روایت کی ہے اس کے ایک راوی اسحاق بن عیسیٰ ہیں اور دوسرے راوی علی بن عبداللہ الازدی ہیں اور ان دونوں کے بارے میں حافظ ابن حجر نے صراحت کی ہے کہ وہ سچے ہیں مگر حدیث بیان کرنے میں غلطیاں کر جاتے ہیں۔ (تقریب التہذیب ص ۳۷، ۲۷۳)

واضح رہے کہ اس وقت امت میں فاسقوں اور بے عمل لوگوں کی کثرت ہے اور منافقین کی بھی کمی نہیں۔ ان سب کو محض امتِ مسلمہ میں شامل ہونے کی بنا پر جنت کا مستحق قرار دینا، ان کو اس حال میں چھوڑ دینا ہے کہ وہ گناہوں میں ڈوبے رہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ اللہ ان میں سے کن لوگوں کی مغفرت فرمائے گا اور کب فرمائے گا اس لئے ہمیں کوئی ایسی بات نہیں کہنا چاہئے جس سے غلط کار لوگ مطمئن ہو کر بیٹھ جائیں۔

۶۱۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ حج نوٹ ۳۵۔

۶۲۔ غم سے مراد ہر قسم کا غم ہے۔ جنت کی زندگی غم سے بالکل پاک اور مکمل خوشی کی زندگی ہوگی۔ انسان کی فطرت ایسی ہی زندگی کا تقاضا کرتی ہے اور انسان اسی کی تمنا کرتا ہے۔ مگر اس کے پورا ہونے کا محل یہ دنیا نہیں بلکہ جنت ہے۔ اگر وہ اس حقیقت کو سمجھ لے تو اس کے سارے غم غلط ہو کر رہ جائیں۔

۶۳۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ہم سے جو قصور سرزد ہوئے تھے ان کو ہمارے رب نے معاف کر دیا اور ہمارے اچھے اعمال کی قدر فرمائی۔

۶۴۔ یعنی ہمارے رب نے ہمیں اس منزل پر اتارا ہے جو ہیشگی کا گھر ہے اور وہاں ہماری اقامت بھی ہمیشہ کیلئے ہے۔ پھر اس گھر (جنت) کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں نہ محنت و مشقت کرنا پڑتی ہے اور نہ کسی قسم کی تکان لاحق ہوتی ہے۔

آدمی جب محنت کرتا ہے تو اسے تکان لاحق ہوتی ہے، لیکن جنت کا ماحول دنیا کے ماحول سے بہت اعلیٰ وارفع ہوگا۔ وہاں کسی چیز کو حاصل کرنے کیلئے محنت و مشقت کی ضرورت نہیں ہوگی اس لئے تکان بھی محسوس نہ ہوگی۔

۶۵۔ مراد خاص طور سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کو کتابِ الٰہی ماننے سے انکار کیا۔

۶۶۔ یعنی موت آ کر ان کی تکلیف کا خاتمہ کر دینے والی نہیں بلکہ وہ ہمیشہ تکلیف کی حالت میں رہیں گے۔

۶۷۔ اتنی سخت سزا اللہ کے قانونِ عدل کے مطابق ہوگی کہ جہاں شکر کرنے والوں کا بدلہ ہیشگی کی جنت ہے، وہاں ناشکری کرنے والوں کا بدلہ ہیشگی کی جہنم۔

جو شخص اپنی آنکھیں پھوڑ دیتا ہے اس کو دوبارہ آنکھیں نہیں ملتیں۔ اسی طرح جو شخص اللہ کی نعمتوں کو ٹھکرا دیتا ہے اس کا ابدی نعمتوں سے محروم رہنا مقدر ہے۔

۶۸۔ یہ جہنم کا کیسا دردناک منظر ہے جس میں کافروں کو چیختے چلاتے ہوئے اور اپنی غلط کاریوں کا اعتراف کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اور اسلئے دکھایا گیا تاکہ جو لوگ قرآن کا انکار کرتے ہیں وہ اپنے خطرناک اور دردناک انجام کی ایک جھلک دیکھ لیں۔ عجب نہیں کہ یہ جھلک ان کو اپنی اصلاح پر آمادہ کر دے۔

۶۹؎ مراد وہ عمر ہے جس میں انسان حق و باطل میں تمیز کرنے اور واقعات سے سبق حاصل کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ قرآن نے دوسری جگہ جوانی کی عمر کو سوجھ بوجھ کی عمر قرار دی ہے۔(حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ۔ بنی اسرائیل ۳۴) جو شخص بھی سوجھ بوجھ کی عمر کو پہنچ گیا اس پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں اپنا مؤقف متعین کرنے کے سلسلے میں ہوش سے کام لے۔ اور یاددہانی کی جو باتیں اس کے سامنے آئیں ان سے وہ سبق لے۔

۷۰؎ یعنی مزید براں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس رسول آیا تھا جس نے تم پر حجت قائم کر دی تھی۔

۷۱؎ خلیفہ کے معنی بااختیار کے ہیں۔ اس کی تشریح سورۂ نور نوٹ ۹۵؎ میں گزر چکی۔ واضح رہے کہ قرآن میں انسان کو خلیفۃ اللہ (اللہ کا خلیفہ) کہیں نہیں کہا گیا، بلکہ یہ کہا گیا کہ اس کو اللہ نے خلیفہ بنایا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک بااختیار مخلوق ہے اور یہ اختیارات اللہ کے پیدا کردہ اور اس کی طرف سے امانت ہیں۔ خدائی اختیارات کا کوئی جزء بھی اس کو حاصل نہیں ہے اور نہ وہ خدا کا قائم مقام ہے۔ خدا کا خلیفہ یا نائب کہنے سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے اس لئے خلیفہ کا ترجمہ بااختیار زیادہ موزوں ہے اور یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ اللہ نے انسان کو زمین پر خلیفہ بنایا ہے۔

۷۲؎ یعنی جو اس حقیقت کو ماننے سے انکار کرے گا کہ اللہ نے اس کو خلیفہ بنایا ہے اور اس کے برخلاف اپنے کو خود مختار قرار دے گا، تو اس کی حیثیت اللہ کے باغی اور بہت بڑے مجرم کی ہوگی اور اس کا سارا وبال اسی پر پڑے گا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ
اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ
اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ
الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾

۴۰ کہو کیا تم نے دیکھا اپنے ان شریکوں کو، جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو! مجھے بتاؤ انہوں نے زمین میں سے کوئی چیز پیدا کی ہے؟ یا آسمانوں میں ان کی کوئی حصہ داری ہے؟ یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے تو وہ اس کی کسی واضح حجت پر ہیں؟ نہیں بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے محض فریب کے وعدے کر رہے ہیں۔ ۷۳۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ
زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ
حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾

۴۱ بلاشبہ اللہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں ۷۴۔ اور اگر وہ ٹل جائیں تو اس کے بعد کوئی نہیں ہے جو ان کو تھام سکے ۷۵۔ بلاشبہ وہ بڑا حلیم اور غفور ہے۔ ۷۶۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ
لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ
مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ﴿۴۲﴾

۴۲ یہ لوگ اللہ کی پکی قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی خبردار کرنے والا آیا تو وہ ہر ایک امت سے زیادہ ہدایت اختیار کرنے والے بنیں گے ۷۷۔ مگر جب خبردار کرنے والا ان کے پاس آ گیا تو ان کی دوری ہی میں اضافہ ہو گیا۔

اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ؕ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ
السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ
فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ
اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾

۴۳ یہ زمین میں تکبر کرنے لگے اور بُری چالیں چلنے لگے۔ حالانکہ بُری چالیں ان ہی کو گرفت میں لیتی ہیں ۷۸۔ اب کیا یہ لوگ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جائے، جو پچھلی قوموں کے ساتھ کیا گیا تھا ۷۹۔ ایسا ہے تو تم اللہ کے قاعدے میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور نہ اللہ کے قاعدے کو ٹلتا ہوا دیکھو گے۔ ۸۰۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَمَا
كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ
اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾

۴۴ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھ لیتے ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ جب کہ وہ ان سے کہیں زیادہ طاقتور تھے۔ اور آسمان اور زمین میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اللہ کو عاجز کرنے والی ہو۔ وہ سب کچھ جاننے والا اور بڑی قدرت والا ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا
مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ
فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

۴۵ اگر وہ لوگوں کو ان کے عمل کی پاداش میں پکڑتا تو زمین پر ایک جاندار کو بھی نہیں چھوڑتا۔ مگر وہ انہیں ایک وقت مقرر تک کیلئے مہلت دیتا ہے۔ پھر جب ان کا وقت مقرر آ جائے گا تو اللہ اپنے بندوں کو دیکھ لے گا۔ ۸۱۔

۷۳ ۔ یعنی اللہ کو چھوڑ کر جن کو تم نے خدا بنا رکھا ہے، اس کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل تمہارے پاس ہے؟ اگر ہے تو بتاؤ انہوں نے زمین میں کون سی چیز پیدا کی ہے یا آسمانوں کی تخلیق میں ان کا کیا حصہ ہے؟ اگر آسمان وزمین کی تخلیق میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے تو پھر وہ خدا کیسے ہوئے؟ اگر متعدد خداؤں کے حق میں کوئی عقلی دلیل موجود نہیں ہے تو کیا کوئی آسمانی کتاب تمہارے پاس موجود ہے جس میں یہ بات کہی گئی ہو؟ اگر ایسا نہیں ہے اور واقعہ یہی ہے کہ متعدد خداؤں کے وجود کی نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ اس کی تائید میں تم کوئی آسمانی کتاب پیش کر سکتے ہو، تو پھر تمہارا یہ عقیدہ بے بنیاد نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اس بے بنیاد اور جھوٹے عقیدہ سے وابستہ رہنے کیلئے تم ایک دوسرے کو جو امیدیں دلاتے ہو کہ یہ عقیدہ اور یہ مذہب ہی تمہیں مالا مال کرنے والا ہے، وہ اس کے سوا کیا ہیں کہ ایک دوسرے کو سبز باغ دکھانا اور دھوکہ میں رکھنا۔

مشرکین عرب کے پاس تو کوئی مذہبی کتاب تھی ہی نہیں، جس کے آسمانی ہونے کا وہ دعویٰ کرتے مگر مشرکین ہند کے پاس قدیم مذہبی کتاب وید موجود ہے جس میں متعدد دیوتاؤں کا تصور پایا جاتا ہے۔ لیکن وید نہ خود آسمانی کتاب ہونے کا دعویٰ کرتی ہے اور نہ اس کے وحی الٰہی ہونے کی کوئی شہادت موجود ہے۔ یہاں تک کہ یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کا مصنف یا پیش کرنے والا کون تھا۔

وید کے بارے میں سی کنہن راجا لکھتے ہیں:

"In Most of the religions, the person who had the revelation had that revelation imparted by a God, and there may be religions where he received that revelation through personal effort without a God. Even within the scheme of the rituals of the vedas, there is no such original Teacher of the religion and there are no dogmas for belief." (The Quintessence of the Rigveda P.6)

اس لئے وید میں پائے جانے والے متعدد خداؤں اور دیوتاؤں کے تصور کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

۷۴ ۔ یعنی ان کو جس طرح قائم کر دیا گیا ہے قائم رہیں۔ زمین کہیں لڑھک نہ جائے اور آسمان کہیں گر نہ پڑے۔

۷۵ ۔ یعنی اگر اللہ آسمانوں اور زمین کی گرفت ڈھیلی کر دے یا ان کو زائل کر دے تو ان کو اپنی جگہ قائم رکھنے والا کوئی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان وزمین اللہ کے قائم کرنے سے قائم ہیں۔ اور اگر وہ ان کو قائم رکھنا نہ چاہے تو کوئی نہیں جو اُن کو قائم رکھ سکے۔

۷۶ ۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ کافروں کی باتیں ایسی ہیں کہ اللہ کا غضب ٹوٹ پڑے اور آسمان وزمین کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے لیکن اللہ بردبار ہے اس لئے کافروں کو بھی مہلت دیتا ہے کہ وہ اس سے معافی کے خواستگار بن کر اصلاح کر لیں۔

۷۷ ۔ نبی ﷺ کی آمد سے پہلے مشرکین مکہ یہود ونصاریٰ کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس اللہ کا کوئی رسول آیا، تو ہم ان امتوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو زیادہ ہدایت یافتہ ثابت کر دکھائیں گے۔

۷۸ ۔ یعنی اللہ کے رسول اور دین حق کے خلاف جو سازشیں بھی کی جائیں گی ان کے جال میں بالآخر سازش کرنے والے ہی پھنسیں گے۔ اور دنیا نے دیکھ لیا کہ حضرت محمد ﷺ کے خلاف سازش کرنے والوں کی تدبیریں کس طرح الٹی پڑیں۔ یہ تو دنیا میں ان کا انجام ہوا۔ اور آخرت میں تو ہولناک انجام سے انہیں دوچار ہونا ہے۔

۷۹ ۔ یعنی رسولوں کو جھٹلانے کا جو انجام گزری ہوئی قوموں کا ہوا وہی انجام ان کا ہو جائے؟

۸۰ ۔ یعنی اللہ کا دستور، کہ اس کے رسول کو جھٹلانے والوں کو وہ دنیا میں تباہ کر دیتا ہے ایک اٹل دستور ہے۔ اس میں کسی قوم کے ساتھ رعایت نہیں برتی جاتی۔

ہر جھٹلانے والی قوم کا یہی حشر ہوا ہے۔ لہٰذا قرآن کے پیغمبر کو جھٹلانے والی قوم کا بھی لازماً یہی حشر ہوگا۔ اللہ کی اس سنت (دستور) میں نہ کوئی تبدیلی ہوسکتی ہے اور نہ اس کے مطابق ظاہر ہونے والے عذاب کو ٹالا جاسکتا ہے۔

مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورہ بنی اسرائیل نوٹ ۱۰۷۔

۸۱۔ یہ منکرین کے اس شبہ کا جواب ہے کہ اگر ہم گمراہ ہیں تو اللہ ہمیں سزا کیوں نہیں دیتا؟ فرمایا اگر اللہ لوگوں کو ان کے قصوروں پر فوراً پکڑتا تو پوری نوع انسانی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا، کیونکہ کوئی انسان ایسا نہیں جس سے کوئی نہ کوئی قصور سرزد نہ ہوتا ہو لیکن اللہ لوگوں کو اصلاح کا موقع دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ گمراہ قوموں کو بھی ایک وقت تک مہلت دیتا ہے تا کہ وہ اپنے رویہ کو درست کرلیں۔ جب یہ مہلت ختم ہوگی اور فیصلہ کا وقت آئے گا تو اللہ دیکھ لے گا کہ اس کے بندوں نے کیا کیا ہے اور ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جانا چاہئے۔ اس میں گمراہ اور غلط کار لوگوں کیلئے سخت تنبیہ ہے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ ان کو کبھی پکڑنے والا نہیں ہے۔

۳۶۔یٰس

نام سورہ کا آغاز 'ی' (یا) اور 'س' (سین) دو حرفوں سے ہوا ہے اس مناسبت سے اس کا نام سورۂ یٰس ہے۔

زمانۂ نزول مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکہ کے درمیانی دور کے اخیر میں نازل ہوئی ہوگی، نیز یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ سورۂ فاطر کے بعد نازل ہوئی ہوگی، کیوں کہ اس میں خبردار کرنے والے (نذیر) کا ذکر مجملاً ہوا تھا اور اس میں زیادہ وضاحت کے ساتھ ہوا ہے۔

مرکزی مضمون آخرت کے انجام سے خبردار کرنا ہے، اس طور سے کہ غفلت میں پڑے ہوئے لوگ جاگ اٹھیں اور انہیں اپنے مستقبل اور اپنی نجات کی فکر دامن گیر ہو۔ رسول کی بعثت اسی لئے ہوتی ہے کہ وہ خبردار کرنے کا یہ فریضہ انجام دے۔

نظم کلام آیت ۱ تا ۱۲ میں رسول کی صداقت پر قرآن کی شہادت پیش کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ اس کی بعثت کا مقصد غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو خبردار کرنا ہے۔

آیت ۱۳ تا ۳۲ میں عبرت کیلئے ایک بستی کی مثال پیش کی گئی ہے جس نے خبردار کرنے والے رسولوں کو جھٹلایا تھا۔ نتیجہ یہ کہ اللہ نے عذاب بھیج کر اس کو تباہ کردیا۔

آیت ۳۳ تا ۵۰ میں توحید کی نشانیوں کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے منکرین کے اعتراضات کی تردید کی گئی ہے۔

آیت ۵۱ تا ۶۵ میں قیامت کے احوال اس طور سے پیش کئے گئے ہیں کہ پڑھنے والا محسوس کرنے لگتا ہے کہ قیامت برپا ہوگئی ہے اور وہ میدانِ حشر میں کھڑا ہے۔

آیت ۶۶ تا ۶۸ میں منکرین کو تنبیہ ہے۔

آیت ۶۹ تا ۸۳ میں رسالت، توحید اور دوسری زندگی سے متعلق منکرین کے شبہات کا جواب دیا گیا ہے۔

فضیلت کے بارے میں روایتیں اس سورہ کی فضیلت میں ترمذی نے حضرت انس سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "یٰس قرآن کا دل ہے۔" ساتھ ہی انہوں نے صراحت کی ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور اس کا ایک راوی ہارون ابو محمد مجہول ہے۔

(دیکھئے ترمذی ابواب فضائل القرآن)

دوسری حدیث ابوداؤد کی ہے جس میں انہوں نے معقل بن یسار سے نبی ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:

اقرأوا یٰس علیٰ موتاکم "مرنے والوں پر یٰس پڑھا کرو۔" (ابوداود کتاب الجنائز)

یہ روایت ابوعثمان نے اپنے والد کے واسطہ سے معقل بن یسار سے بیان کی ہے۔ لیکن امام ذہبی، ابوعثمان کے بارے میں لکھتے ہیں "نہ اس کا باپ معروف ہے اور نہ وہ"۔ (دیکھئے میزان الاعتدال ج ۴ ص ۵۵۰)

اس مضمون کی روایتیں مسند احمد اور دیگر کتب حدیث میں بھی بیان ہوئی ہیں۔ لیکن اسناد کے اعتبار سے یہ صحت کے درجہ کو نہیں پہنچتیں اس لئے ان کو ارشادِ رسول نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اور یہ بات بھی ثابت نہیں ہے کہ صحابہ اس سورہ کو کسی شخص کی جانکنی کے موقع پر پڑھا کرتے تھے۔

سُوْرَةُ يٰسٓ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰسٓ ۝١

وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝٢

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝٣

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝٤

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝٥

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝٦

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٧

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى
الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝٨

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا
فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝٩

وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝١٠

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ
فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝١١

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۭ
وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝١٢

۳۶-سُوْرَۃُ یٰسٓ

آیات: ۸۳

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

۱ یا۔سین۔ ۱؎

۲ قسم ہے حکمت بھرے قرآن کی۔

۳ تم یقیناً رسولوں میں سے ہو۔ ۲؎

۴ سیدھے راستہ پر۔ ۳؎

۵ یہ نازل کیا ہوا ہے اس کا جو غالب اور رحیم ہے۔ ۴؎

۶ تا کہ تم ایک ایسی قوم کو خبردار کرو جس کے آباء واجداد کو خبردار نہیں کیا گیا تھا، اس لئے وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ۵؎

۷ ان میں سے اکثر لوگوں پر ہمارا قول صادق آچکا ہے ۶؎؟ اس لئے وہ ایمان نہیں لاتے۔

۸ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں جو اُن کی ٹھوڑیوں تک ہیں، اس لئے ان کے سر اوپر کو اٹھ کر رہ گئے ہیں۔ ۷؎

۹ ہم نے ان کے آگے بھی ایک دیوار کھڑی کر دی ہے اور ان کے پیچھے بھی ایک دیوار۔ اور ہم نے ان کو ڈھانک دیا ہے، لہٰذا انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ ۸؎

۱۰ ان کیلئے یکساں ہے تم انہیں خبردار کرو یا نہ کرو۔ وہ ایمان لانے والے نہیں۔ ۹؎

۱۱ تم اسی کو خبردار کر سکتے ہو جو نصیحت کی پیروی کرے اور رحمٰن سے بے دیکھے ڈرے ۱۰؎۔ ایسے شخص کو مغفرت اور باعزت اجر کی خوشخبری دو۔

۱۲ ہم یقیناً مُردوں کو زندہ کریں گے ۱۱؎۔ اور ہم لکھ رہے ہیں جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا اور جو آثار (نقوش) انہوں نے پیچھے چھوڑے۔ ہم نے ہر چیز کو ایک کھلی کتاب میں درج کر رکھا ہے۔ ۱۲؎

۱۔ بعض مفسرین نے یٰس کے معنی اے انسان بیان کئے ہیں اور بعض کے نزدیک اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں لیکن یہ بات نہ لغت سے ثابت ہے اور نہ حدیث سے۔

حروفِ مقطعات جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں سورتوں کے بعض اہم مضامین کی طرف اشارہ کرتے ہیں (دیکھئے سورہ بقرہ نوٹ ۱۔ اور سورۂ یونس نوٹ ۱۔)اس سورہ میں 'ی' کا اشارہ یٰحَسۡرَۃً عَلَی الۡعِبَادِ (بندوں کے حال پر افسوس! آیت ۳۰) کی طرف ہے اور 'س' کا اشارہ سَلٰمٌ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِیۡمٍ (جنت میں ان کیلئے ربِّ رحیم کی طرف سے قول ہوگا سلام۔ آیت ۵۸) کی طرف۔ گویا اس سورہ میں ایک طرف ان بندوں کے حال پر اظہار افسوس کیا گیا ہے جو رسول کی صداقت پر یقین نہیں کرتے بلکہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور دوسری طرف ایمان لانے والوں کو خوشخبری دی گئی ہے کہ ان کا رب رحیم ان کو سلام کا تحفہ پیش کرے گا۔

۲۔ عربی میں ایسے موقع پر قسم شہادت کے معنی میں آتی ہے یعنی جس چیز کی قسم کھائی جاتی ہے اس کو ثبوت اور دلیل کی طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رسول ہونے کے ثبوت میں حکمت بھرے قرآن کو پیش کیا گیا ہے۔

جو شخص بھی قرآن کا کھلے ذہن سے مطالعہ کرے گا وہ یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہے گا کہ:

اولاً قرآن کی علمی سطح نہایت بلند ہے۔ وہ انسان کے علم میں زبردست اضافہ کرتا ہے اور اس پر کائنات کے اسرار و رموز کو کھولتا ہے اور انسانی زندگی کے بارے میں حقائق کو بے نقاب کرتا ہے۔

ثانیاً وہ انسان کو بلندی کی طرف لے جاتا ہے اور اسے رفعت عطا کرتا ہے۔

ثالثاً غور و فکر کی صلاحیتوں کو ابھارتا ہے اور اس کی عقل کو جلا بخشتا ہے۔

رابعاً اس کی تعلیمات نہایت اعلیٰ اور انسانی فطرت سے بالکل ہم آہنگ ہیں۔

خامساً وہ عدل کی میزان قائم کرتا ہے اور دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف کرنا سکھاتا ہے۔

سادساً وہ تاریخ کے گمشدہ اوراق کو پیش کرتا ہے جن میں انسانیت کیلئے بہت بڑا سبق ہے۔ اور مستقبل کی دنیا میں کیا کچھ پیش آنے والا ہے اس سے آگاہ کرتا ہے۔

سابعاً انسان کے ظاہر کو بھی پاکیزگی عطا کرتا ہے اور باطن کو بھی، اور اس میں ایسی روح پھونک دیتا ہے کہ وہ زندگی کی اصل حقیقت سے لذت آشنا ہو جاتا ہے۔

ایسا حکیمانہ کلام جو انسان کی کایا پلٹ دیتا ہو اور اسے بام عروج پر پہنچاتا ہو وحی الٰہی ہی ہوسکتا ہے اور جب یہ کلام وحی الٰہی ہے تو اس کا پیش کرنے والا لازماً اللہ کا رسول ہے مختصر یہ کہ قرآن کا معجزہ کی حد تک حکیمانہ کلام ہونا اس کے لانے والے کے جو ایک امّی شخص ہے پیغمبر ہونے کا بین ثبوت ہے اور یہ ایسا ثبوت ہے جو رہتی دنیا تک قائم رہنے والا ہے تاکہ ہر زمانہ کے لوگ آپ کی رسالت پر یقین کرسکیں۔

۳۔ سیدھے راستہ سے مراد وہ راستہ ہے جو سیدھا اللہ تک پہنچتا ہے اور وہ ہے توحید کی راہ جس کا نام اسلام ہے۔

سورۂ فاتحہ میں جس صراط مستقیم کی ہدایت کیلئے بندوں کی زبان سے دعا نکلی ہے وہ یہی صراط مستقیم ہے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے۔

۴۔ یعنی اس قرآن کو اللہ نے نازل کیا ہے جو غالب بھی ہے اور رحیم بھی۔ ان دو صفتوں کی طرف اشارہ کرنے سے مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ یہ قرآن اس ہستی کا فرمان ہے جس کا اقتدار سب پر چھایا ہوا ہے اس لئے اس کو رد کرنا یا اس سے بے توجہی برتنا کوئی معمولی بات نہیں بلکہ بہت بڑی نافرمانی ہے

جس پر اس کی طرف سے سخت گرفت ہوگی۔ اور اگر تم اس کے فرمان کو قبول کرو تو اس کی رحمت کے مستحق بن سکتے ہو۔

۵۔ مراد عرب یعنی بنی اسمٰعیل ہیں جن میں حضرت اسمٰعیل کے بعد کوئی رسول (خبردار کرنے والا) نہیں آیا۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کا زمانہ تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح کا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ۶۱۰ء عیسوی میں ہوئی۔ گویا ڈھائی ہزار سال بعد ان میں پیغمبر کی بعثت ہوئی۔ اتنے طویل عرصہ تک ان میں کوئی پیغمبر اس لئے نہیں مبعوث کیا گیا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل نے مکہ میں اللہ کا گھر تعمیر کر کے اور نماز اور حج کا طریقہ رائج کر کے توحید کے گہرے نقوش چھوڑے تھے اور ایک مختصر اور غیر متمدن معاشرہ کے لئے جس حد تک شرعی احکام کی ضرورت تھی وہ بھی سنت ابراہیمی کی شکل میں موجود چلی آ رہی تھی۔ علاوہ ازیں ان کی تذکیر کا سامان بالواسطہ طور پر حضرت شعیب علیہ السلام کے ذریعہ جو شمالی حجاز کے علاقہ میں مبعوث ہوئے تھے نیز بنی اسرائیل کے پیغمبر خاص طور سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے ذریعہ انجام پاتا رہا یعنی ان کے پیرو قریب کے علاقوں میں آباد ہوئے اور دین کی باتیں برابر ان تک پہنچتی رہیں اس لئے یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ اس طویل مدت میں وہ بالکل تاریکی میں رہے اور ہدایت کی روشنی کا ان کیلئے کوئی سامان نہیں کیا گیا تھا۔ یہاں دراصل عربوں پر یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ ایک مدت مدید کے بعد تمہارے اندر جو رسول مبعوث ہوا ہے اس کی تمہیں قدر کرنی چاہئے کہ اللہ نے تمہیں بہت بڑے فضل سے نوازا، جس غفلت میں تم پڑ گئے تھے اس سے تمہیں بیدار کرنے کا سامان کیا اور ہدایت کی جو روشنی دھیمی پڑ گئی تھی اس کو تیز کر دیا لیکن تم اس کی ناقدری کر رہے ہو۔ گویا تمہیں نہ رسول کی ضرورت ہے اور نہ ہدایت کی۔

۶۔ مراد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو اس نے ابلیس کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَ مِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ (ص۔۸۵)

''میں تجھ سے اور جو اُن میں سے تیری پیروی کریں گے ان سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔''

مطلب یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگوں نے شیطان کی پیروی کر کے اپنے کو جہنم کا مستحق بنالیا ہے یہاں خاص طور سے مشرکین مکہ مراد ہیں جن پر اللہ کی حجت بدرجہ اتم قائم ہوگئی تھی اس کے باوجود ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے اور بالآخر کفر کی حالت ہی میں مرے یا جنگ نے ان کا خاتمہ کر دیا۔ مکہ میں قلیل تعداد ہی ایسی نکلی جو دیر سویر ایمان لے آئی۔

۷۔ طوق سے مراد آباء و اجداد کی اندھی تقلید کے طوق ہیں۔ انہوں نے جب یہی طوق پسند کر لئے تو اللہ کے قانونِ ضلالت نے انہیں یہی طوق پہنا دیئے۔ یہ طوق ان کی ٹھوڑیوں تک آ لگے ہیں اس لئے ان کے سر اوپر ہی اٹھ کر رہ گئے ہیں۔ یہ ان کے تکبر اور سرکشی کی تصویر ہے کہ اب ان کے سر اللہ کے آگے جھکنے والے نہیں۔ واضح ہو کہ عقیدہ و مذہب کے معاملہ میں باپ دادا کی اندھی تقلید انسان میں تکبر پیدا کرتی اور اس کو اللہ کا سرکش بنا دیتی ہے۔ ہر انسان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ حق کو تلاش کرے اور اللہ کی دی ہوئی عقل کو صحیح طور سے استعمال کرے۔

۸۔ یہ ان گمراہوں کی اس حالت کی تصویر ہے کہ ان کے سامنے حق کی طرف رہنمائی کرنے والی جو نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں وہ انہیں دکھائی نہیں دیتیں اور اس لئے دکھائی نہیں دیتیں کہ ان کے اور حق کے درمیان تعصب کی دیوار حائل ہوگئی ہے۔ اسی طرح گزری ہوئی قوموں کے عبرتناک انجام سے بھی انہیں کوئی سبق نہیں مل رہا ہے کیونکہ ان کے پیچھے بھی دیوار حائل ہوگئی ہے۔ تعصب کے یہ پردے ان کی آنکھوں پر اس طرح پڑ گئے ہیں کہ ان کو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

۹۔ یعنی ایسے ہٹ دھرم لوگ پیغمبر کی تنبیہات کا کوئی اثر قبول کرنے والے نہیں۔

۱۰۔ یعنی ایسے لوگ ہی پیغمبر کی تنبیہات کا اثر قبول کریں گے جو نصیحت کی بات قبول کرنے کیلئے آمادہ ہوں اور خدائے رحمٰن کی عظمت سے خائف

ہوں۔ خدا سے بے دیکھے ڈرنے کی تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ انبیاء نوٹ ۶۸۔

۱۱۔ یعنی قیامت کے دن تمام مرے ہوئے انسانوں کو زندہ کر دیا جائے گا تا کہ وہ اللہ کے حضور اپنے اعمال کی جوابدہی کریں اور ان کی مناسبت سے اچھا یا برا بدلہ پائیں۔

۱۲۔ یعنی ہم نہ صرف ان اعمال کو ضبطِ تحریر میں لا رہے ہیں جو انہوں نے کئے بلکہ جو اثرات اور نقوش انہوں نے اپنے پیچھے چھوڑے ہیں ان کا بھی ریکارڈ تیار کر رہے ہیں۔ اللہ نے ایسا ریکارڈ تیار کرنے کا انتظام کیا ہے کہ ہر شخص کا ہر ہر عمل اور اس کا چھوڑا ہوا ہر نقش محفوظ ہو جائے تا کہ قیامت کے دن وہ دیکھ لے کہ اس نے دنیا میں اچھے کام کئے یا بُرے، اپنے پیچھے اچھے نقوش چھوڑے تھے یا بُرے اور اچھی فصل بوئی تھی یا کانٹے۔

اس زمانہ میں قرآن کا یہ بیان لوگوں کو عجیب معلوم ہو رہا تھا کہ انسان کے اعمال کا ایسا مفصل ریکارڈ کس طرح تیار کیا جا سکتا ہے لیکن موجودہ دور میں جب کہ انسان نے ٹیپ ریکارڈ، کمپیوٹر اور بولتی فلمیں ایجاد کر لی ہیں اس پر یقین کرنا کچھ بھی مشکل نہیں رہا۔ اور اللہ تو ہر چیز پر قادر اور ہر بات کو جاننے والا ہے۔

مَاقَدَّمُوا (جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا) سے مراد ان کے اعمال ہیں جن کا نتیجہ آخرت میں ان کے سامنے آنے والا ہے۔ مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ انفطار نوٹ ۵۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ
جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾
اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ
فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾
قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ
مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾
قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾
وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾
قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ
وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾
قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ
ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾
وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ
اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾
اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔـلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾
وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾
ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ
شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾

۱۳ ان کو مثال کے طور پر بستی والوں کا واقعہ سناؤ، جب ان کے پاس رسول آئے۔ ۱۳؎

۱۴ جب ہم نے ان کے پاس دو رسول بھیجے تو انہوں نے ان کو جھٹلایا۔ پھر ہم نے تیسرا رسول بھیج کر (ان رسولوں کی) تائید کی۔ ان سب نے کہا ہم تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ۱۴؎

۱۵ ان لوگوں نے جواب دیا تم تو ہمارے ہی جیسے بشر ہو اور رحمٰن نے کوئی چیز بھی نازل نہیں کی ہے۔ تم بالکل جھوٹ بولتے ہو۔ ۱۵؎

۱۶ انہوں نے کہا ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ۱۶؎

۱۷ اور ہماری ذمہ داری اس کے سوا کچھ نہیں کہ صاف صاف پیغام پہنچا دیں۔ ۱۷؎

۱۸ ان لوگوں نے کہا ہم تو تمہیں منحوس سمجھتے ہیں ۱۸؎۔ اگر تم باز نہ آئے تو ہم تم کو سنگسار کر دیں گے۔ اور تم ہمارے ہاتھوں دردناک سزا پاؤ گے۔

۱۹ انہوں نے (رسولوں نے) جواب دیا تمہاری نحوست تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہے ۱۹؎۔ کیا یہ (سزا) اس بنا پر (دو گے) کہ تمہیں نصیحت کی گئی ۲۰؎۔ واقعہ یہ ہے کہ تم حد سے گذرے ہوئے لوگ ہو۔ ۲۱؎

۲۰ اور شہر کے آخری کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا ۲۲؎۔ اس نے کہا میری قوم کے لوگو! رسولوں کی پیروی کرو۔ ۲۳؎

۲۱ پیروی کرو ان لوگوں کی جو تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتے اور راہِ راست پر ہیں ۲۴؎۔

۲۲ اور میں کیوں نہ عبادت کروں اس کی، جس نے مجھے پیدا کیا ہے ۲۵؎۔ اور جس کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ ۲۶؎

۲۳ کیا میں اس کو چھوڑ کر اور معبود بنالوں؟ اگر رحمٰن مجھے تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ ان کی سفارش میرے کام آ سکتی ہے اور نہ وہ مجھے چھڑا سکتے ہیں۔ ۲۷؎

۱۳۔ ان آیات میں ایک تاریخی واقعہ پیش کیا گیا تا کہ رسول کے منکرین اس سے سبق لیں۔ واقعہ کے صرف ان اجزاء کا ذکر کیا گیا ہے جو نصیحت پذیری کیلئے کافی ہو سکتے تھے۔ یہ بستی کون سی تھی کن رسولوں کو وہاں بھیجا گیا تھا اور یہ واقعہ کب پیش آیا؟ ان باتوں کی صراحت قرآن نے نہیں کی اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ واقعہ نہایت قدیم زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے پیش آیا ہوگا اور چونکہ اس کے تاریخی نقوش مٹ چکے تھے اس لئے بستی کے نام وغیرہ کی صراحت کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

اکثر مفسرین نے بستی سے مراد انطاکیہ (Antioch) لیا ہے جو شام میں ترکی کی سرحد کے قریب ایک بڑا تجارتی شہر تھا اور رسولوں سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کے حواری لئے ہیں جنہوں نے انطاکیہ میں دین کی تبلیغ کی تھی لیکن علامہ ابن کثیر نے اس کو بوجوہ غلط قرار دیا ہے۔ (دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۶۹) ہم سمجھتے ہیں کہ یہ آیتیں انطاکیہ اور وہاں کے مبلغین پر کسی طرح بھی منطبق نہیں ہوتیں:

اولاً انطاکیہ وہ بستی نہیں ہے جو عذاب الٰہی سے تباہ کر دی گئی ہو جب کہ قرآن آگے (آیت ۲۹) صراحت کرتا ہے کہ اس بستی پر اللہ نے بالآخر عذاب نازل کیا جس کے نتیجے میں وہ بالکل تباہ ہو کر رہ گئی۔ انطاکیہ میں تو جیسا کہ بائبل کا بیان ہے عیسائی مبلغین کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی تھی (دیکھئے بائبل کی کتاب ''اعمال'' باب ۱۱)

ثانیاً جن تین شخصیتوں کو بستی والوں کی طرف بھیجا گیا تھا ان کے بارے میں قرآن صاف کہتا ہے کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول تھے (آیت ۱۴، ۱۶) جب کہ حضرت عیسیٰ کے حواری اصطلاحی معنی میں اللہ کے رسول نہیں تھے۔ وہ تو جیسا کہ قرآن کا بیان ہے حضرت عیسیٰ کے ساتھی اور مددگار تھے۔ (سورۂ صف آیت ۱۴)

ثالثاً بستی والوں کا یہ اعتراض کہ تم ہمارے ہی طرح بشر ہو اور رحمٰن نے کوئی چیز بھی نازل نہیں کی (آیت ۱۵) اللہ کے ان رسولوں ہی کے بارے میں ہو سکتا تھا جو کہتے تھے کہ ہم پر وحی الٰہی نازل ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ کے حواری تو مبلغ کی حیثیت سے انطاکیہ گئے تھے اور ایک مبلغ پر جب کہ وہ اللہ کا رسول ہونے کا دعویٰ نہ کرے کوئی شخص یہ اعتراض نہیں کرتا کہ تم تو ہماری طرح بشر ہو۔ صاحبِ ''تدبر قرآن'' نے اس سے مختلف اپنی رائے کا اظہار کیا ہے کہ بستی سے مراد مصر ہے اور دو رسولوں سے مراد حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون ہیں اور تیسرا شخص جس کے ذریعہ قوت پہنچائی گئی فرعون کے دربار کا وہ شخص تھا جو ایمان لے آیا۔ مگر یہ رائے اس لئے صحیح نہیں کہ قرآن تینوں شخصیتوں کو رسول قرار دیتا ہے۔ (آیت ۱۴، ۱۶) اور جو تاویل انہوں نے آیات کی، کی ہے وہ تکلف سے خالی نہیں نیز اس بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے کہ مصر کی تباہی صَیحۃ (ہولناک چیخ) کے ذریعہ ہوئی تھی اس لئے آیت ۲۹ میں جس عذاب کا ذکر ہوا ہے اس سے مراد وہ عذاب نہیں لیا جا سکتا جو فرعون کے ملک پر آیا تھا مختصر یہ کہ قرآن کی تصریحات سے اس رائے کی تردید ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک جیسا کہ ہم نے اوپر واضح کیا قرآن کے اجمالی بیان پر اکتفا کرنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ ہم محض قیاس سے کام لیکر ان باتوں کی تعیین کریں جن کی تعیین قرآن نے نہیں کی۔

۱۴۔ واضح ہوا کہ تیسرا شخص بھی رسول تھا اور یہ تینوں رسول، اللہ کے بھیجے ہوئے تھے یعنی یہ اصطلاحی معنی میں رسول تھے اس لئے ان کو حضرت عیسیٰ کا قاصد قرار دینا ہرگز صحیح نہیں۔ ایک بستی میں تین رسول بھیجنے کی مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اتمامِ حجت کی ایک مثال یہ بھی قائم ہو جائے اور دنیا والوں پر واضح ہو جائے کہ جو قوم ہٹ دھرمی میں مبتلا ہوتی ہے وہ ایک نہیں تین تین رسولوں کو بھی جھٹلانے میں تامل نہیں کرتی۔

۱۵۔ یہ ویسے ہی اعتراضات تھے جیسے مکہ کے مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کر رہے تھے۔

۱۶۔ یعنی اگر تم ان دلائل کی روشنی میں ہمیں رسول تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہو جو ہم پیش کر رہے ہیں تو نہ مانو۔ ہم تو اللہ کو گواہ کر کے کہتے ہیں کہ اس

نے ہم کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

۱۷۔ یعنی ہماری ذمہ داری صرف یہ ہے کہ واضح طور سے اللہ کا پیغام پہنچا دیں اس کے بعد اپنے عمل کے تم ذمہ دار ہو۔ ہماری ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ تمہیں ایمان لانے کیلئے مجبور کریں۔

واضح رہے کہ یہاں جو بات کہی گئی ہے وہ ان لوگوں کے تعلق سے ہے جو ایمان نہیں لائے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہیں کہ رسول کی ذمہ داری اہل ایمان کے معاملہ میں بھی پیغام رسانی سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰ کو بنی اسرائیل کے تعلق سے کیسی کیسی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا پڑا، حضرت داؤد کو خلافت کی ذمہ داریاں سونپی گئیں، حضرت سلیمان نے ایک شاندار حکومت قائم کرنے کے ساتھ عدالت کے فرائض بھی انجام دیئے اور نبی ﷺ نے تزکیہ و تربیت اور کتاب و حکمت کی تعلیم بھی دی اور عدالتی فیصلے بھی کئے نیز کفار کے ساتھ جہاد جیسی ذمہ داریاں بھی کما حقہ ادا کیں۔ مختصر یہ کہ پورے دین کی آپ نے اپنے قول و عمل سے تشریح و توضیح فرمائی جس کی پیروی اہل ایمان کیلئے ضروری ہے۔

۱۸۔ معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں قحط یا کسی اور مصیبت میں مبتلا کر دیا تھا تا کہ وہ اللہ کی طرف رجوع ہوں لیکن انہوں نے اپنے پیغمبروں کو نحوست قرار دیا۔

۱۹۔ یعنی نحوست کا وجود خارج میں نہیں بلکہ تمہارے اپنے نفس میں ہے۔ بُرے عمل کا نتیجہ بُرا ہی ہے اس لئے برا عمل کر کے نتائج کا ذمہ دار دوسروں کو نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

۲۰۔ یعنی ہم نے کیا جرم کیا ہے جس کی اتنی سخت سزا تم ہم کو دینا چاہتے ہو۔ کیا تذکیر و نصیحت کا کام کرنا بھی جرم ہے؟

۲۱۔ یعنی اخلاق اور عدل و انصاف کے تمام تقاضوں کو تم نے پس پشت ڈال دیا ہے اور شر و فساد پر اتر آئے ہو۔

۲۲۔ یعنی اس پوری بستی میں ایک مردِ مؤمن نکل آیا ورنہ پوری قوم نے پیغمبروں کی دعوت کو رد کر دیا تھا۔ یہ شخص اگرچہ شہر کے آخری کنارے پر تھا لیکن جب پیغمبروں کی دعوت اس تک پہنچ گئی تو وہ دوڑتے ہوئے یعنی بڑی مستعدی کے ساتھ اس رزم گاہ میں پہنچ گیا جہاں رسولوں اور بستی والوں کے درمیان کشمکش برپا تھی۔

۲۳۔ اس نے بستی والوں کے درمیان پہنچ کر اعلان حق کیا اور اپنی قوم کو رسولوں کی پیروی کی دعوت دی ایمان نے اس کے اندر ایسی اسپرٹ پیدا کر دی کہ وہ آناً فاناً حق کا داعی اور مرد مجاہد بن گیا۔

۲۴۔ یعنی رسول اپنی سیرت کے اعتبار سے بے لوث ہیں اور بالکل صحیح رہنمائی کرنے والے ہیں۔ کیوں کہ وہ راہِ حق پر ہیں اور اسی راہ کی طرف تمہیں بلا رہے ہیں۔

۲۵۔ یعنی عبادت خالق کا حق ہے پھر میں اپنے خالق ہی کی عبادت کیوں نہ کروں۔

۲۶۔ ان الفاظ میں اس شخص نے آخرت پر اپنے یقین کا اظہار بھی کیا اور قوم کو بھی آگاہ کیا کہ تم سب کو بالآخر اسی کے پاس جانا ہے لہٰذا اپنی عاقبت کی فکر کرو۔

۲۷۔ اس موقع پر اس شخص کی زبان سے رحمٰن کا ذکر اس کی اللہ سے قلبی وابستگی کو بھی ظاہر کرتا ہے اور اس اعتراف کو بھی کہ وہ بڑا مہربان ہے۔ اس مہربان خدا کو چھوڑ کر اوروں کو معبود بنانے کا کیا فائدہ جن کے بس میں کچھ بھی نہیں۔ اگر خدائے رحمٰن تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ ان کی سفارش کچھ کام آ سکتی ہے اور نہ وہ مصیبت سے چھٹکارا دلا سکتے ہیں۔ پھر یہ واسطے اور وسیلے کیا معنی رکھتے ہیں؟

پاک ہے وہ جس نے ہر قسم کے جوڑے
پیدا کئے۔ زمین کی نباتات میں سے بھی، ان
کے اپنے اندر سے بھی، اور ان چیزوں کے اندر
سے بھی، جن کو وہ نہیں جانتے۔ (القرآن)

إِنِّيٓ إِذًا لَّفِي ضَلَٰلٖ مُّبِينٍ ﴿٢٤﴾

۲۴ اگر میں ایسا کروں تو میں کھلی گمراہی میں ہوں گا۔

إِنِّيٓ ءَامَنتُ بِرَبِّكُمۡ فَٱسۡمَعُونِ ﴿٢٥﴾

۲۵ میں تو تمہارے رب پر ۲۸؎ ایمان لے آیا تو میری بات سنو۔۲۹؎

قِيلَ ٱدۡخُلِ ٱلۡجَنَّةَۖ قَالَ يَٰلَيۡتَ قَوۡمِي يَعۡلَمُونَ ﴿٢٦﴾

۲۶ ارشاد ہوا جنت میں داخل ہو جا۔ اس نے کہا کاش میری قوم جان لیتی۔

بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ ٱلۡمُكۡرَمِينَ ﴿٢٧﴾

۲۷ کہ میرے رب نے میری مغفرت فرمائی اور مجھے باعزت لوگوں میں شامل کیا۔۳۰؎

۞وَمَآ أَنزَلۡنَا عَلَىٰ قَوۡمِهِۦ مِنۢ بَعۡدِهِۦ مِن جُندٖ مِّنَ ٱلسَّمَآءِ
وَمَا كُنَّا مُنزِلِينَ ﴿٢٨﴾

۲۸ اس کے بعد ۳۱؎ ہم نے اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا۔ اور نہ ہم لشکر اتارا کرتے ہیں۔

إِن كَانَتۡ إِلَّا صَيۡحَةٗ وَٰحِدَةٗ فَإِذَا هُمۡ خَٰمِدُونَ ﴿٢٩﴾

۲۹ بس ایک ہولناک آواز تھی کہ سب بجھ کر رہ گئے۔۳۲؎

يَٰحَسۡرَةً عَلَى ٱلۡعِبَادِۚ مَا يَأۡتِيهِم مِّن رَّسُولٍ
إِلَّا كَانُواْ بِهِۦ يَسۡتَهۡزِءُونَ ﴿٣٠﴾

۳۰ افسوس بندوں کے حال پر، جو رسول بھی ان کے پاس آیا اس کا وہ مذاق ہی اڑاتے رہے۔۳۳؎

أَلَمۡ يَرَوۡاْ كَمۡ أَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُم مِّنَ ٱلۡقُرُونِ
أَنَّهُمۡ إِلَيۡهِمۡ لَا يَرۡجِعُونَ ﴿٣١﴾

۳۱ کیا انہوں نے دیکھا نہیں ۳۴؎، کہ ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں اور وہ لوگ ان کے پاس واپس آنے والے نہیں۔۳۵؎

وَإِن كُلّٞ لَّمَّا جَمِيعٞ لَّدَيۡنَا مُحۡضَرُونَ ﴿٣٢﴾

۳۲ اور یقیناً سب ہی ہمارے حضور حاضر کئے جائیں گے۔۳۶؎

وَءَايَةٞ لَّهُمُ ٱلۡأَرۡضُ ٱلۡمَيۡتَةُ أَحۡيَيۡنَٰهَا وَأَخۡرَجۡنَا مِنۡهَا حَبّٗا
فَمِنۡهُ يَأۡكُلُونَ ﴿٣٣﴾

۳۳ اور ایک بڑی نشانی ان کیلئے مُردہ زمین ہے۔ ہم نے اس کو زندہ کیا ۳۷؎ اور اس سے غلہ نکالا جسے وہ کھاتے ہیں۔

وَجَعَلۡنَا فِيهَا جَنَّٰتٖ مِّن نَّخِيلٖ وَأَعۡنَٰبٖ
وَفَجَّرۡنَا فِيهَا مِنَ ٱلۡعُيُونِ ﴿٣٤﴾

۳۴ ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کئے اور اس میں چشمے جاری کر دئے۔

لِيَأۡكُلُواْ مِن ثَمَرِهِۦ وَمَا عَمِلَتۡهُ أَيۡدِيهِمۡۚ أَفَلَا يَشۡكُرُونَ ﴿٣٥﴾

۳۵ تا کہ وہ اس کے پھل کھائیں۔ یہ ان کے ہاتھ کا کام نہیں ہے۔ پھر کیا وہ شکر نہیں کریں گے!۳۸؎

سُبۡحَٰنَ ٱلَّذِي خَلَقَ ٱلۡأَزۡوَٰجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنۢبِتُ ٱلۡأَرۡضُ
وَمِنۡ أَنفُسِهِمۡ وَمِمَّا لَا يَعۡلَمُونَ ﴿٣٦﴾

۳۶ پاک ہے وہ جس نے ہر قسم کے جوڑے پیدا کئے۔۳۹؎ زمین کی نباتات میں سے بھی ۴۰؎، ان کے اپنے اندر سے بھی ۴۱؎، اور ان چیزوں کے اندر سے بھی، جن کو وہ نہیں جانتے۔۴۲؎

وَءَايَةٞ لَّهُمُ ٱلَّيۡلُ نَسۡلَخُ مِنۡهُ ٱلنَّهَارَ فَإِذَا هُم مُّظۡلِمُونَ ﴿٣٧﴾

۳۷ ان کیلئے ایک نشانی رات ہے۔ ہم اس سے دن کھینچ لیتے ہیں تو وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔۴۳؎

۲۸۔ یعنی اللہ پر جو تم سب کا حقیقی رب ہے۔

۲۹۔ یعنی میں ایمان لاکر رسولوں کی پیروی کی جو نصیحت تمہیں کر رہا ہوں اسے قبول کرو۔

۳۰۔ اندازِ کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مردِ مؤمن کی بے لاگ باتیں لوگوں کو سخت ناگوار ہوئیں اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ اس نے جرأت ایمانی کا ثبوت دیا تھا اور وہ جانبازی کے جوہر دکھاتے ہوئے اللہ کی راہ میں شہید ہو گیا تھا اس لئے اس کو فوراً جنت کی بشارت سنادی گئی۔

قرآن کی تصریحات کے مطابق اہل ایمان اپنے جسم کے ساتھ جنت میں قیامت کے دن ہی داخل ہوں گے البتہ اس سے پہلے عالمِ برزخ میں پاکیزہ روحوں کو اعزاز و اکرام سے نوازا جاتا ہے اور شہداء کو ایک خاص قسم کی زندگی ملتی ہے اور وہ رزق بھی پاتے ہیں (سورۂ بقرہ آیت ۱۵۴، آلِ عمران آیت ۱۶۹) اس مردِ مؤمن نے بھی عالمِ برزخ میں پہنچ کر اللہ کی اسی عنایت پر اپنی مسرت کا اظہار کیا کہ میرے رب نے میری مغفرت فرمائی اور مجھے ان لوگوں میں شامل کیا جنہیں اعزاز و اکرام سے نوازا گیا اور اس تمنا کا اظہار کیا کہ کاش میری قوم کو یہ معلوم ہو جاتا اور وہ ایمان لے آتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس مؤمن کی یہ تمنا قرآن کے پڑھنے والوں تک پہنچادی۔ اب ان کا کام ہے کہ وہ اس کی روشنی میں اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لیں۔

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ مرنے کے بعد روحیں عالمِ برزخ میں جس کو حدیث میں قبر سے تعبیر کیا گیا ہے پہنچتی ہیں اور وہاں ان کے ساتھ ان کے عمل کے لحاظ سے معاملہ کیا جاتا ہے رہا یہ سوال کہ قیامت سے پہلے جزا یا سزا کیسے ملتی ہے؟ تو دراصل قیامت کے دن تو انسان کو جسم سمیت اٹھایا جائے گا اور اس کے اعمال کا حساب کر کے اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا لیکن قیامت سے پہلے جزا یا سزا کا صرف ایک حصہ ملتا ہے اور وہ بھی رُوح کو۔ اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ دنیا میں بھی ایک حد تک جزا و سزا کا معاملہ پیش آتا رہتا ہے جن کافر قوموں کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں عذاب نازل کر کے ہلاک کیا ان کو بھی تو قیامت سے پہلے ہی سزا کا ایک حصہ مل گیا۔

۳۱۔ یعنی اس مردِ مؤمن کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کی بعد۔

۳۲۔ یعنی اس قوم کی تباہی کیلئے کوئی خاص اہتمام نہیں کرنا پڑا کہ اتنی بڑی آبادی کو سزا دینے کیلئے کوئی لشکر اتارا گیا ہو اور نہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے کسی قوم کو سزا دینے کیلئے کوئی لشکر اتارا تھا بلکہ اس کا ایک اشارہ کسی قوم کو ہلاک کرنے کیلئے کافی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس قوم کو بھی ہلاک کرنے کیلئے ایک ہولناک آواز کافی ہوگئی۔ ممکن ہے یہ بجلی کی چنگھاڑ رہی ہو یا زلزلہ اور لاوے کا دھماکہ یا اور کوئی غیر معمولی ہولناک آواز۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ کیا صورت پیش آئی۔ بہر صورت اس ہولناک آواز نے پوری قوم کا اس طرح خاتمہ کر دیا کہ وہ راکھ کا ڈھیر ہو کر رہ گئی۔

۳۳۔ اور یہ ماضی ہی کی بات نہیں۔ آج بھی بہ کثرت لوگ ایسے ہیں کہ رسالت اور وحی کی بات سنتے ہی غیر سنجیدہ ہو جاتے ہیں اور اس کو مذاق بنا لیتے ہیں۔ مگر ایک وقت آئے گا جب یہ لوگ اپنی حرکتوں پر کفِ افسوس ملتے رہیں گے۔

بندوں کے حال پر افسوس کا مطلب یہ ہے کہ بندوں نے اپنے کو ایسی حالت میں پہنچا دیا ہے کہ ان کے لئے ندامت اور افسوس کے سوا کچھ نہیں۔

۳۴۔ ''کیا انہوں نے دیکھا نہیں'' عربی میں ''کیا انہوں نے غور نہیں کیا'' کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اردو میں بھی یہ محاورہ ہے۔

۳۵۔ یعنی جس قوم کو ایک مرتبہ ہلاک کر دیا گیا وہ دوبارہ دنیا میں لوٹ کر نہیں آتی۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس سے نظریۂ آواگوان کی بھی تردید ہوتی ہے۔

۳۶۔ یعنی ان قوموں کا وجود اگرچہ دنیا میں نہیں رہا لیکن ان کی روحیں عالم برزخ میں ہیں اور قیامت کے دن ان کو جسم سمیت اٹھایا جائے گا اور اللہ کے حضور اپنے اعمال کی جوابدہی کیلئے حاضر کر دیا جائے گا۔ یہ بات ان قوموں کی حد تک ہی نہیں بلکہ ہر شخص کو قیامت کے دن اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے۔

۳۷۔ مُردہ زمین کو زندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ زمین خشک پڑی تھی مگر پانی برسانے سے سرسبز ہوگئی اور اس میں سے نباتات نکل آئیں۔ ہر شخص اس بات کا مشاہدہ کر لیتا ہے کہ مردہ زمین بارش کے ہوتے ہی غلہ اگلنے لگتی ہے۔ کیا یہ اس بات کی علامت نہیں ہے کہ اس کے پیچھے ایک زبردست قدرت رکھنے والی ہستی کا ہاتھ کارفرما ہے اور کیا اس سے یہ یقین پیدا نہیں ہوتا کہ وہ مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔

۳۸۔ غلہ اور پھل وغیرہ انسان کیلئے غذائی اشیاء ہیں اور ان غذائی اشیاء میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو انسان نے پیدا کی ہو۔ انسان تو اللہ کے ہی پیدا کردہ بیج زمین میں بوتا ہے اور زمین اللہ کے حکم سے غلہ اگل دیتی ہے۔ اسی طرح انسان صرف شجرکاری کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ درخت اور باغ پیدا کر دیتا ہے جو پھلوں سے لدے ہوئے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بات کس قدر عجیب ہے کہ اللہ کی بخشی ہوئی ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے باوجود انسان اس کا شکرگذار نہیں بنتا! کھجوروں اور انگوروں کا ذکر خاص طور سے اس لئے کیا گیا کہ جس سرزمین میں قرآن نازل ہوا اس کے قرب وجوار میں کھجور اور انگور کے باغ پائے جاتے تھے نیز یہ دونوں پھل لذیز بھی ہیں اور غذائیت سے بھرپور بھی۔

۳۹۔ یعنی جوڑے ہونا مخلوق کی خصوصیت ہے کیونکہ جوڑے ایک دوسرے کے مماثل (مشابہ) بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی تکمیل بھی کرتے ہیں۔ لیکن خالق کو مخلوق پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ہر قسم کے نقص سے پاک ہے اس لئے اس کے جوڑ کا کوئی نہیں۔ وہ بالکل یکتا ہے۔

۴۰۔ نباتات میں جوڑوں کا وجود مختلف شکلوں میں پایا جاتا ہے۔ بعض ثمرآور ہوتے ہیں تو بعض کوئی پھل نہیں لاتے، بعض پیداوار کا دو اجزاء سے مرکب ہونا عام مشاہدہ میں آنے والی بات ہے مثلاً چنا' دالیں' مختلف قسم کے بیج 'بادام' کا جو' پستہ وغیرہ ان کے دونوں اجزاء بہ آسانی الگ کئے جاسکتے ہیں۔ بعض وہ جن کے زرگل میں نرومادہ کی خصوصیات پائی جاتی ہیں:

"Most forest trees in fact , have separate flowers for each sex (Some for pollen, of hens for ovules) but have both types of flowers on every tree. (Hugh Johnsons Ency of Trees . London.p.15)

اور ان میں بارآوری (Fertilization) ہونے سے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ کونپلیں بیج کو پھاڑ کر یعنی اس کو دو اجزائمیں منقسم کر کے نکل آتی ہیں۔ علم نباتات (Botony) کی رو سے یہ انقسام (Fragmentation) بہت سی نباتات میں تولید کا عمل ہے (دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا عنوان (Reproductive systems, plant cells) اور موجودہ سائنس نے یہ اکتشاف بھی کیا ہے کہ پودوں (Plants) میں خلیے (Cells) ہوتے ہیں اور ہر خلیہ میں کروموزومس (Chromosomes) کے جوڑے (Pairs) ہوتے ہیں (سورہ رعد نوٹ ۱۳ بھی پیشِ نظر رہے)۔

۴۱۔ یعنی مرد و عورت۔

۴۲۔ یعنی اللہ نے ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا ہے لیکن کتنی ہی چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں انسان نہیں جانتا کہ ان کے جوڑا ہونے کی نوعیت کیا ہے۔ جمادات کے بارے میں کون جانتا تھا کہ ان میں بھی جوڑے ہوتے ہیں لیکن موجودہ سائنس نے یہ اکتشاف کیا کہ ذرہ (Atom) میں ایک مرکزہ (Nucleous) ہوتا ہے جو مثبت برق (Positive Charge) رکھتا ہے اور دوسرا الیکٹرون (Electron) جو منفی برق (Negetive Charge) رکھتا ہے اور یہ اپنے مرکزہ کے گرد گردش کرتا ہے پھر مرکزہ (Nucleous) پروٹون (Proton) اور نیوٹرون (Nutron) سے مرکب ہوتا ہے۔ دیکھئے (Mc. Grow Hill Ency. of Science and Technology. Newyork Vol. 1 P.844) اگرچہ قرآن کے پیش کردہ حقائق اپنی صداقت کیلئے علمی اکتشافات کے محتاج نہیں ہیں کیونکہ وہ ایک علیم وخبیر ہستی کے پیش کردہ حقائق ہیں جن میں غلطی کا قطعاً کوئی احتمال نہیں ہے لیکن موجودہ سائنسی اکتشافات سے قرآن کی صداقت اور زیادہ روشن ہو جاتی ہے۔

٤٣۔ یعنی دن کی سفید چادر جب ہم کھینچ لیتے ہیں تو اندھیرا ہی اندھیرا رہ جاتا ہے۔مطلب یہ کہ دن کی روشنی نوعِ انسانی کیلئے اللہ کی بہت بڑی نعمت اوراس کی قدرت کا کرشمہ ہے اگر انسان اس پہلو سے اس نشانی پر غور کرے جو روزانہ ظہور میں آتی رہتی ہے تو اس کے اندر خدائے واحد کا یقین اور اس کے لئے شکر کے جذبات پیدا ہوجائیں۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝۳۸

۳۸ اور سورج اپنی جائے قرار کی طرف چلا جا رہا ہے ۴۴؎۔ یہ اس ہستی کی منصوبہ بندی ہے جو غالب اور علم والا ہے۔ ۴۵؎

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝۳۹

۳۹ اور چاند کہ ہم نے اس کی منزلیں مقرر کر دی ہیں، یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح رہ جاتا ہے۔ ۴۶؎

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ
وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝۴۰

۴۰ نہ سورج کے بس میں ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے۔ اور سب ایک ایک دائرہ میں حرکت کر رہے ہیں۔ ۴۷؎

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝۴۱

۴۱ اور ان کیلئے ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ ۴۸؎

وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ۝۴۲

۴۲ اور ان کیلئے اُسی کی مانند اور (کشتیاں) پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔ ۴۹؎

وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ۝۴۳

۴۳ اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں، پھر نہ ان کا کوئی فریاد رس ہوگا اور نہ وہ بچائے جا سکیں گے۔ ۵۰؎

اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝۴۴

۴۴ مگر یہ ہماری رحمت ہے اور ایک وقت تک کیلئے فائدہ اٹھانے کا سامان ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۴۵

۴۵ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ڈرو اس چیز سے جو تمہارے آگے اور پیچھے ہے ۵۱؎، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (تو وہ منہ موڑ لیتے ہیں)

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝۴۶

۴۶ اور ان کے رب کی نشانیوں میں سے جو نشانی بھی ان کے پاس آتی ہے، وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ڰ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا
فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۴۷

۴۷ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو رزق تمہیں بخشا ہے اس میں سے (محتاجوں پر) خرچ کرو، تو یہ کافر ایمان لانے والوں سے کہتے ہیں۔ کیا ہم ان لوگوں کو کھلائیں جن کو اگر اللہ چاہتا تو کھلا دیتا ۵۲؎۔ تم لوگ صریح گمراہی میں پڑ گئے ہو۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴۸

۴۸ اور کہتے ہیں یہ (قیامت کا) وعدہ کب پورا ہوگا ۵۳؎؟ اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ)۔

۴۴ ۔ یعنی سورج حرکت میں ہے اوراس کی یہ حرکت اس کے مستقر (جائے قرار) کی طرف ہے۔مطلب یہ ہے کہ جوراہ اس کیلئے مقرر کردی گئی ہے اسی راہ پر وہ چلا جارہاہے اوراپنے آخری ٹھکانے کی طرف بڑھ رہا ہے۔اس کا آخری ٹھکانہ قیامت کی منزل ہے جہاں پہنچ کراس کی حرکت رک جائے گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی یہ تشریح منقول ہے کہ سورج جب غروب ہوتا ہے تو عرشِ الٰہی کے نیچے سجدہ کرنے کیلئے جاتا ہے۔(بخاری کتاب التفسیر) محل کلام دلیل ہے اس بات کی کہ یہاں اصل حقیقت کی طرف ذہنوں کو موڑ نے کیلئے استعارہ(Metaphor) کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ سورج اپنی ضیا پاشیوں کے بعد جب نظروں سے غائب ہوجاتا ہے تو وہ اللہ کے زیرِ اقتدار ہی رہتا ہے اوراس کے اس قانون کی تابعداری کرتے ہوئے جواس کیلئے مقرر کردیا گیا ہے، اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اللہ ہی کے آگے جھکا ہوا ہے۔جولوگ بات کواس کے محل پر رکھ کر سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے وہ الفاظ کو پکڑ کر بحثیں کھڑی کردیتے ہیں اور نافہمی کی بنا پر حدیث ہی کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔

جہاں تک جدید سائنس کا تعلق ہے وہ سورج کو متحرک مانتی ہے۔اس کی رو سے سورج کی محوری گردش تقریباً ۲۷ دن میں پوری ہوتی ہے:

" The Sun is a slow rotator .... period of rotation 26. 9 days (The New Ency. Britannica Vol. 17 P. 799 & 801)

رہی سورج کی مداری گردش(Orbital Rotation) تو اس سلسلہ میں اب تک کوئی تحقیقی بات سامنے نہیں آسکی ہے البتہ سائنس دانوں کا اندازہ ہے کہ وہ اپنے نظام کے ساتھ ۲۵۰ کلومیٹر فی سکنڈ کی رفتار سے حرکت کررہا ہے:

"Earth's Sun moves with the system at speed of about 250 Kilometers (160 Miles) per second." (The New Ency, Britannica Vol. 17, 15th Edn. P.833)

سائنس کی یہ تصریحات قرآن کے اس بیان سے اس حد تک تو مطابقت رکھتی ہیں کہ سورج متحرک ہے لیکن سائنس کی تصریحات میں قیاس کا بھی دخل ہے۔اوراس بنا پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر سورج اپنے مدار پر گردش کرتا ہے تو پھر زمین اور سورج کے فاصلہ میں بھی کمی بیشی ہوتی رہنی چاہئے البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ سورج اپنے نظام شمسی کو لئے ہوئے حرکت کررہا ہو اور یہ دوسری صورت ہی قرآن کے بیان سے مطابقت رکھنے والی معلوم ہوتی ہے۔کیوں کہ قرآن صاف کہتا ہے کہ سورج اپنی جائے قرار کی طرف چلا جارہا ہے۔اور قرآن کا بیان حقیقتِ واقعہ کا اظہار ہے۔یہ اور بات ہے کہ ہمارے علم اور فہم کی رسائی اتنی دور تک نہیں ہوسکتی کہ اس کی نوعیت ہم پر پوری طرح واضح ہوجائے۔

۴۵ ۔ یعنی سورج کی یہ حرکت کسی اتفاق کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ایک زبردست علیم ہستی کا بنایا ہوا منصوبہ ہے۔یہ منصوبہ ایسا مضبوط ہے کہ سورج سرِ مُو اس سے انحراف نہیں کرسکتا۔اگر سورج دیو ہوتا جیسا کہ مشرکین سمجھتے ہیں، تو وہ ایک خاص حرکت کا پابند ہو کر نہ رہتا اور اگر وہ اتفاقی حادثہ کے طور پر وجود میں آ گیا ہوتا، جیسا کہ ملحدین سمجھتے ہیں تو اس کی حرکت میں یہ باقاعدگی اوراس کے نظام میں یہ استواری نہ ہوتی۔پھر کیا سورج کا یہ باقاعدہ نظام جس کا ہر شخص مشاہدہ کرتا ہے اس بات کا یقین پیدا نہیں کرتا کہ یہ سب کچھ ایک منصوبہ کے تحت ہورہا ہے اور یہ منصوبہ اسی ہستی کا بنایا ہوا ہے، جو سب پر غالب اور سب کچھ جاننے والی ہے۔

۴۶ ۔ چاند اپنا چکر ایک مہینہ میں پورا کرلیتا ہے۔اس کی شکل روزانہ بدلتی رہتی ہے۔ہلال سے بدر کامل بن جاتا ہے اور پھر گھٹتے گھٹتے ہلال کی سی شکل میں رہ جاتا ہے۔گویا کھجور کی پرانی ٹہنی جو خشک ہو کر ٹیڑھی ہوجاتی ہے۔چاند کی یہ شکلیں مداری حرکت(Orbital Motion) کے نتیجہ میں نمایاں ہوتی ہیں اس لئے اس کی اس حرکت کو منزلوں والے سفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔گویا چاند روزانہ ایک منزل طے کرتا ہوا اور اپنی بدلتی ہوئی شکل کو نمایاں کرتا ہوا اپنا چکر پورا کرلیتا ہے۔

۴۷۔ یعنی سورج اپنے دائرہ سے نکل کر چاند کے دائرہ میں داخل نہیں ہوسکتا۔اور نہ رات دن کے وقت نمودار ہوسکتی ہے۔ ہر ایک کیلئے جو دائرہ مخصوص کر دیا گیا ہے اس میں رہ کر اسے حرکت کرنا ہے۔

(مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ انبیاء نوٹ ۴۲)

۴۸۔ ان کی نسل سے مراد انسانی نسل ہے اور بھری ہوئی کشتی سے مراد کشتیٔ نوح ہے۔ جو اہلِ ایمان سے اور ان کے کام آنے والے جانوروں سے بھر دی گئی تھی اور جو اس طوفان میں جس نے پوری انسانی آبادی کو ہلاک کر دیا تھا صحیح سلامت چلتی رہی۔

فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ فِى الۡـفُلۡكِ الۡمَشۡحُوۡنِ۔ (شعراء۔۱۱۹)

''بالآخر ہم نے اس کو (یعنی نوح کو) اور ان کو جو اس کے ساتھ تھے بھری ہوئی کشتی میں نجات دی۔''

کشتی میں جو اہلِ ایمان سوار تھے وہ انسانی آبادی کا کل سرمایہ تھے۔ بعد میں ان ہی کی نسلوں سے زمین آباد ہوئی۔اس لئے اُن لوگوں کو جو کشتی میں سوار تھے نسل انسانی (ذُرِّيَّتَهُمۡ) سے تعبیر کیا گیا ہے۔اگر اللہ تعالیٰ انہیں نہ بچاتا تو زمین پر انسان کا وجود باقی نہ رہتا۔ یہ اہم تاریخی واقعہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے انسانیت کی کشتی کو پار لگایا اور یہ اسی کی رحمت ہے کہ نسلِ انسانی محفوظ رہی۔

۴۹۔ پہلی کشتی حضرت نوح کی تھی جو انہوں نے اللہ کی ہدایت کے مطابق بنائی تھی۔اس کے بعد لوگوں نے اسی کشتی کی مانند دوسری کشتیاں بنائیں اور موجودہ زمانہ کے بڑے بڑے جہاز بھی اسی علم کی خوشہ چینی ہے جو انسان کی اولین کشتی کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے بخشا تھا۔اس لئے یہ کشتیاں اور جہاز گو انسان کی کاریگری ہے لیکن درحقیقت یہ اللہ ہی کی پیدا کردہ سواریاں ہیں۔

۵۰۔ یعنی یہ لوگ اس بات پر کیوں نہیں غور کرتے، کہ اگر اللہ ان لوگوں کو جب وہ کشتی پر سوار ہوتے ہیں غرق کرنا چاہے، تو نہ کوئی ان کی فریاد کو پہنچ سکتا ہے اور نہ وہ اس مصیبت سے نجات پاسکتے ہیں۔

آیت میں لفظ 'صریخ' استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں فریاد کو پہنچنے والا، یہی معنی لفظ ''غوث'' کے بھی ہیں۔ یہ آیت اس حقیقت کا واضح طور سے اعلان کرتی ہے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی غوث ہے اور نہ کوئی ناؤ کو پار لگانے والا۔ لہٰذا جس طرح مشرکین کا اپنے دیوی دیوتاؤں کو غوث (فریادرس) سمجھنا باطل ہے اسی طرح مسلمانوں کا اپنے پیروں اور ولیوں کو غوث سمجھنا بھی سراسر باطل اور مشرکانہ عقیدہ ہے

۵۱۔ جو تمہارے آگے ہے سے مراد دنیا کا عذاب اور جو تمہارے پیچھے ہے سے مراد آخرت کا عذاب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس بات سے ڈرو کہ اللہ کا عذاب تمہیں آگے اور پیچھے سے گھیر نہ لے۔

۵۲۔ اس آیت میں ان کافروں کا حال بیان ہوا ہے جن کی زر پرستی سنگدلی کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ ان کو محتاجوں کی حالت پر رحم نہیں آتا تھا اور جب ان سے اہلِ ایمان کہتے کہ ان پر خرچ کرو تو وہ ان کی بات کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے کہ ہم ان کو کیا کھلائیں جن کو اللہ ہی نے کھلانا پسند نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مسکین اور محتاج ہیں۔

ان کے اس اعتراض کی نامعقولیت بالکل واضح ہے اس لئے اس کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ انسانی فطرت بھوکوں کو کھلانے پر آمادہ کرتی ہے اور مصیبت زدگان کو دیکھ کر ہمدردی کے جذبات کا پیدا ہوجانا ایک فطری بات ہے۔ نیز اس میں انسان کا امتحان بھی ہے کہ وہ دین اور فطرت کے اس تقاضے کو پورا کرتا ہے یا نہیں۔ مگر بے عقل لوگ اپنی ذمہ داری محسوس کرنے کے بجائے اللہ اور اس کے دین پر اعتراض کرنے لگتے ہیں۔

۵۳۔ مراد قیامت کا وعدہ ہے۔

کہیں گے افسوس ہم پر! کس نے ہم کو
ہماری خواب گاہوں سے اٹھایا؟۔۔۔۔یہ
وہی ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا
اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔(القرآن)

مَا يَنظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ﴿۴۹﴾

۴۹ یہ لوگ بس ایک ہولناک آواز کے منتظر ہیں، جو انہیں اس حال میں کہ باہم جھگڑ رہے ہوں گے آ پکڑ لے گی۔ ۵۴؎

فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿۵۰﴾

۵۰ پھر نہ تو وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ ہی سکیں گے۔ ۵۵؎

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ ﴿۵۱﴾

۵۱ اور صور پھونکا جائے گا تو یکایک وہ اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ ۵۶؎

قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ۜ هَٰذَا مَا وَعَدَ
الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿۵۲﴾

۵۲ کہیں گے افسوس ہم پر! کس نے ہم کو ہماری خواب گاہوں سے اٹھایا ۵۷؎ ؟۔۔۔۔ یہ وہی ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔ ۵۸؎

إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿۵۳﴾

۵۳ بس ایک ہولناک آواز ہوگی اور دفعتًہ وہ سب کے سب ہمارے حضور حاضر کر دیئے جائیں گے۔ ۵۹؎

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۵۴﴾

۵۴ آج کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا اور تمہیں وہی کچھ بدلہ میں ملے گا جو تم کرتے رہے ہو۔ ۶۰؎

إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ ﴿۵۵﴾

۵۵ آج جنت والے اپنے مشغلوں میں شاداں وفرحاں ہونگے۔ ۶۱؎

هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلَالٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَّكِئُونَ ﴿۵۶﴾

۵۶ وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔ ۶۲؎

لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُم مَّا يَدَّعُونَ ﴿۵۷﴾

۵۷ اس میں ان کیلئے میوے ہوں گے اور جو کچھ وہ طلب کریں گے وہ انہیں ملے گا۔ ۶۳؎

سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ ﴿۵۸﴾

۵۸ ان کو سلام کہلایا جائے گا ربِ رحیم کی طرف سے۔ ۶۴؎

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿۵۹﴾

۵۹ اور اے مجرمو! آج تم الگ ہو جاؤ۔ ۶۵؎

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن
لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۶۰﴾

۶۰ اے اولادِ آدم! کیا میں نے تمہیں ہدایت نہیں کی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ۶۶؎

وَأَنِ اعْبُدُونِي ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿۶۱﴾

۶۱ اور یہ کہ میری ہی عبادت کرو۔ یہ سیدھا راستہ ہے۔ ۶۷؎

وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا ۖ أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ﴿۶۲﴾

۶۲ پھر بھی اس نے تم میں سے بڑی خلقت کو گمراہ کر لیا ۶۸؎۔ تو کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے؟ ۶۹؎

۵۴۔ یعنی یہ اپنے بُرے انجام ہی کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ قیامت جس کی خبر انہیں دی جارہی ہے وہ تو ایک ہولناک آواز کی شکل میں نمودار ہوگی اور ایسے وقت نمودار ہوگی کہ لوگ غفلت میں ہوں گے اور اسی بحث میں الجھے ہوئے ہوں گے کہ قیامت آئے گی بھی یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ قیامت کی بحث دنیا میں چلتی رہے گی اور انکار کرنے والے انکار کرتے ہی رہیں گے، یہاں تک کہ قیامت اپنی ہولناکیوں کے ساتھ ظہور میں آکر ان بحثوں کا خاتمہ کردے گی۔

۵۵۔ یعنی قیامت اس طرح اچانک آئے گی کہ لوگوں کو مہلت نہ مل سکے گی۔ نہ کسی کو کچھ وصیت (ہدایت) کرنے کی مہلت اور نہ اپنے گھر جانے کی مہلت۔ جو جہاں ہوگا وہیں ڈھیر ہوکر رہ جائے گا۔

۵۶۔ یعنی جب قیامت کا دوسرا صور پھونکا جائے گا تو دفعتہ تمام مُردے قبروں سے (زمین کے اندر سے) نکل پڑیں گے اور اپنی پیشی کے مقام کی طرف چل پڑیں گے۔ انسانوں کی اتنی بڑی تعداد کو زندہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کو کچھ وقت نہیں لگے گا۔

۵۷۔ یعنی یہ لوگ جو آج دوسری زندگی کا انکار کر رہے ہیں جب قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو انہیں تعجب اور افسوس ہوگا، کہ یہ ہم کس دنیا میں پہنچ گئے اور کس حال میں اٹھے ہیں۔

''مرقد'' کے معنی خواب گاہ کے ہیں۔ قیامت کا دوسرا صور پھونکے جانے سے پہلے برزخ کا جو آخری مرحلہ ہوگا اس میں ان کی روحوں پر سونے کی کیفیت طاری رہے گی۔ اور دوسرا صور پھونکے جانے پر وہ جاگ اٹھیں گے اور جسم کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس لئے انہیں حیرت ہوگی کہ ہمیں نیند سے کس نے بیدار کیا۔

اس سے برزخ کے عذاب (عذابِ قبر) کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ نیند کی اس حالت میں وہ برزخ (قبر) کے آخری مرحلہ میں رہیں گے۔

۵۸۔ یہ جواب جیسا کہ اس کی اسپرٹ سے ظاہر ہے اہلِ ایمان دیں گے وہ ان منکرین کو یاد دلائیں گے کہ خدائے رحمن نے دوبارہ زندہ کرنے کا جو وعدہ کیا تھا یہ اسی کی تکمیل ہے اور رسولوں نے قیامت کی جو خبر دی تھی وہ بالکل سچی تھی اور آج کا دن ان کی سچائی کا ثبوت ہے۔ قیامت کے دن اہلِ ایمان کا منکرین کو جواب دینا سورۂ روم میں بیان ہوا ہے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ فَھٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰکِنَّکُمْ کُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ۔ (سورۂ روم: ۵۶)

''اور جن لوگوں کو علم اور ایمان عطاء ہوا تھا وہ کہیں گے اللہ کے نوشتہ میں تم اٹھائے جانے کے دن تک رہے، تو یہ اٹھائے جانے کا دن ہے۔ لیکن تم نہیں جانتے تھے۔''

۵۹۔ اس ہولناک آواز کو دوسری جگہ ڈانٹ سے تعبیر کیا گیا ہے:

فَاِنَّمَا ھِیَ زَجْرَۃٌ وَّاحِدَۃٌ۔ (نازعات: ۱۳)

''وہ تو بس ایک ڈانٹ ہوگی۔''

یعنی قیامت کا دوسرا بگل کیا ہوگا ایک ہولناک آواز کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سخت ڈانٹ ہوگی کہ اٹھو اور حاضر ہو جاؤ میرے حضور۔ اس ڈانٹ کے نتیجہ میں سب مردے پیشی کیلئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

۶۰۔ جب سب مردہ انسان اٹھ کھڑے ہوں گے تو اعلان کر دیا جائے گا کہ یہ انصاف کا دن ہے اور ہر شخص کو اپنے کئے کا پھل پانا ہے۔

۶۱۔ یعنی قیامت کے دن ان لوگوں کو جو نیک عمل کرتے رہے ہیں بدلہ میں جنت ملے گی۔ وہاں ان کیلئے ایک سے بڑھ کر ایک دلچسپی کا سامان ہوگا۔

۶۲۔ یہ جنت کی شاہانہ اور عیش ونشاط کی زندگی کی ایک جھلک ہے۔ جنت میں تجرد کی نہیں بلکہ ازدواجی زندگی ہوگی جو سکون وراحت کی زندگی ہے۔ وہاں دھوپ کی تپش نہیں ہوگی بلکہ ٹھنڈک بخشنے والا سایہ دار ماحول ہوگا اور بیٹھنے کیلئے شاہانہ انداز کے نہایت آرام دہ تخت ہوں گے۔

۶۳۔ یعنی کھانے کے لئے اعلیٰ قسم کے میوے بھی ملیں گے اور جو کچھ وہ اپنے ذوق کے مطابق طلب کریں گے وہ بھی ان کو مل جائے گا۔

۶۴۔ رحمت والے رب کی طرف سے سلام ان کے اعزاز واکرام کا باعث بھی ہوگا اور اطمینان کا بھی ۔ یہ ضمانت ہے اس بات کی کہ وہ ہمیشہ سلامت رہیں گے۔

۶۵۔ دنیا میں تو مؤمن اور کافر نسل، خاندان، ملک اور قومیت وغیرہ کی بنا پر آپس میں خلط ملط ہوجاتے ہیں، لیکن قیامت کے دن ان کے درمیان مکمل تفریق کردی جائے گی۔ اس روز عقیدہ وعمل کی بنا پر انسانوں کی گروہ بندی ہوگی اس لئے کافروں سے کہا جائے گا کہ تمہارا اہلِ ایمان سے کوئی تعلق نہیں خواہ وہ تمہارے اپنے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں۔ تمہیں ان سے بالکل الگ ہوکر اپنے آخری ٹھکانے پر (جہنم میں) پہنچنا ہے۔

۶۶۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور حضرت آدم کے ساتھ شیطان کا جو واقعہ پیش آیا تھا اس میں ان کیلئے یہ سبق تھا کہ وہ شیطان کے اشاروں پر نہ چلیں۔ ان کی فطرت بھی شر سے باز رہنے ہی کی تلقین کرتی تھی اور انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تاکید کی تھی کہ شیطان کی پیروی نہ کریں وہ انسان کا کھلا دشمن ہے۔

''شیطان کی عبادت نہ کرو'' میں عبادت سے مراد شیطان کی اطاعت ہے۔ جس میں انسان اپنے نفس کی باگ ڈور اس کے حوالہ کرکے اس کے حکم پر چلنے لگتا ہے۔ بالفاظِ دیگر انسان شیطان کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالتا ہے اور اس کی اطاعت اللہ کی اطاعت کی جگہ لے لیتی ہے۔ اس طرح انسان اللہ کا نہیں بلکہ شیطان کا غلام بن کر رہتا ہے، اس لئے اس کی اطاعت کو اس کی عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے حدیث میں زر پرست کو دینار ودرہم کا بندہ کہا گیا ہے: تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَالدِرْھَمِ ''دینار ودرہم کا بندہ ہلاک ہو''

اور اس کی تشریح حدیث میں اس طرح کردی گئی ہے کہ:

اِنْ اُعْطِیَ رَضِیَ وَاِنْ لَمْ یُعْطَ لَمْ یَرْضَ ''اگر اسے دیا گیا تو راضی اور نہ دیا گیا تو ناراض۔'' (بخاری کتاب الرقاق)

یعنی مال مل جانے پر اللہ سے خوش ہونا اور نہ ملنے پر اس سے ناراض ہونا اللہ کی بندگی نہیں بلکہ درہم ودینار (مال) کی بندگی ہے۔ اس حدیث میں بھی درہم ودینار کا بندہ اس سے شدید قلبی تعلق کی بنا پر کہا گیا ہے۔ ایسا تعلق جو اللہ سے تعلق کی جگہ لے لے اور آدمی اسی کا ہوکر رہ جائے۔

پھر شیطان کی اطاعت کو اس کی عبادت سے اس بنا پر بھی تعبیر کیا گیا ہے کہ آدمی اسی کے حکم سے غیر اللہ کی عبادت (پرستش) کرتا ہے اس لئے یہ درحقیقت شیطان ہی کی عبادت ہے۔

علامہ آلوسی نے اس کی بڑی اچھی تشریح کی ہے۔ فرماتے ہیں:

''شیطان'' کی عبادت سے مراد اس کی اطاعت ہے۔''

ان باتوں میں جن کی وہ ان کی طرف وسوسہ اندازی کرتا ہے اور ان کیلئے ان کو مزیّن کرکے پیش کرتا ہے، اس کو عبادت سے اسلئے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ اس سے دوری اور تنفر بڑھے نیز اسلئے بھی کہ وہ اللہ کی عبادت کے مقابلہ میں ہوتی ہے۔ اور اس سے مراد غیر اللہ کی عبادت بھی ہوسکتی ہے۔ اس کی نسبت شیطان کی طرف اسلئے کردی گئی ہے کہ وہ اس کا حکم دیتا ہے اور اس کو نظروں میں کھبا دیتا ہے لہٰذا یہ تعبیر اسی مناسبت سے ہے۔'' (روح المعانی جزء ۱۳ ص ۴۰)

واضح رہے کہ اطاعت کوعبادت سے تعبیر کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عبادت اور اطاعت بالکل ہم معنی الفاظ ہیں اوران میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ایسا سمجھنا عبادتِ الٰہی کی وقعت کوگھٹانا اور دین میں اس کا جومقام ہے اس سے فروتر مقام اس کیلئے تجویز کرنا ہے۔عبادت اور اطاعت میں جوفرق ہے اس کے چند نمایاں پہلو یہ ہیں:

۱) عبادت فطرت انسانی کا ایک خاص داعیہ ہے جوعقیدت ومحبت کے جذبات اور خشوع اورخضوع کی کیفیات کا مظہر ہے جب کہ اطاعت کا تعلق ارادہ وعمل سے ہے۔

۲) عقیدہ وایمان کا اولین مظہر عبادت یعنی پرستش ہےاوراس کے بعد اطاعت یعنی احکام کی بجا آوری۔

۳) عبادت میں دل کی مخصوص کیفیت مطلوب ہوتی ہے جب کہ اطاعت کیلئے نیت کا درست ہونا کافی ہے۔

۴) عبادت کے مفہوم میں گو اطاعت شامل ہے کیونکہ عبادت بھی حکم کی تعمیل میں ہی کی جاتی ہے۔اس کے باوجود عبادت کا ایک دائرہ ہے اور اطاعت کا ایک دائرہ۔فقہاء نے بھی عبادات اور معاملات کے الگ الگ دائرے متعین کئے ہیں۔

۵) عبادت اللہ کیلئے خاص ہےاوراس میں خشوع اورخضوع،دل کا تقویٰ،اپنے بندہ ہونے کا احساس،انابت اور ذکرِ الٰہی جیسی چیزیں اصلاً مقصود ہوتی ہیں جب کہ اطاعت کیلئے جو احکام دئے گئے ہیں ان کے ذریعہ بندوں کے حقوق کی ادائیگی،معاشرہ کی اصلاح اور عدلِ اجتماعی کا قیام جیسی چیزیں مطلوب ہوتی ہیں۔

۶) عبادت اللہ کے سوا کسی کی نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔جب کہ اطاعت رسول کی بھی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور مسلمان اصحاب امر کی بھی۔اس سے عبادت اور اطاعت کا فرق بالکل واضح ہے۔

۷) غیر شرعی احکام وقوانین کی تعمیل کیلئے مجبوری ایک عذر ہوسکتا ہے،لیکن غیر اللہ کی عبادت کیلئے مجبوری بھی عذر نہیں ہے۔الا یہ کہ جان کو خطرہ لاحق ہو اور وقتی طور سے ظاہر کی حد تک کوئی ناجائز صورت اختیار کرنا پڑے۔

۸) عبادت کے طور طریقوں میں عقل اور اجتہاد کا کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ جو طریقے وحی الٰہی نے متعین کئے ہیں ان کی جوں کی توں تعمیل کی جاتی ہے۔لیکن اطاعت کے سلسلہ میں جو احکام دئے گئے ہیں ان کی علت اور مصالح کی طرف خود وحی الٰہی نے اشارے کردیئے ہیں۔اس لئے نئے حالات میں ان کا انطباق (Application) اور نئے مسائل کے پیش آجانے پر ان مصالح کوملحوظ رکھتے ہوئے اجتہاد کیا جاتا ہے۔

۹) ایک مؤمن جہالت سے وقتی طور پر شیطان کے فریب کا شکار ہوکر معصیت کا مرتکب ہوسکتا ہے لیکن اس کے اس عمل کو شیطان کی عبادت سے تعبیر نہیں کیا گیا ہے بلکہ شیطان کی مستقل اطاعت کو اس کی عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۱۰) اللہ کی اطاعت کا تعلق اس بات سے ہے کہ اس نے کیا احکام دئے ہیں۔لیکن عبادت تو انسان کا وہ جذبۂ دروں ہے جو اس کے رب کیلئے فطری طور پر امنڈ پڑتا ہے۔

۶۷۔ خدائے واحد کی عبادت کو صراط مستقیم (سیدھی راہ) سے تعبیر کیا گیا ہے،کیونکہ یہی راہ اللہ تک پہنچتی ہے اور یہی کامیابی کی منزل ہے۔اسی راہ کا نام اسلام ہے۔

۶۸۔ یعنی اس تاکید کے باوجود انسانوں کی کثیر تعداد شیطان کے پیچھے چل پڑی اور اس کے اشارہ پر غیر اللہ کو معبود بنا بیٹھی۔اس طرح ان پر ہدایت کی راہ گم ہوگئی اور وہ گمراہی میں پڑ گئے۔

۶۹۔ اللہ تعالیٰ نے عقل اس لئے نہیں دی تھی کہ اس کو بے کار اور معطل کر کے رکھا جائے ، اور خدا اور مذہب کے معاملہ میں اس کو استعمال نہ کیا جائے۔ بلکہ اس لئے دی تھی کہ وہ خدا اور مذہب کے بارے میں پیدا ہونے والے اہم ترین اور بنیادی سوالات کا صحیح جواب معلوم کرنے کیلئے اس کو استعمال کرے۔ اگر انسان اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرے اور اللہ کی بخشی ہوئی عقل سے کام لے تو اس کو ان سوالات کا یہی جواب ملے گا کہ اس کائنات کا صرف ایک خدا ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے۔ مگر اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ اپنی خواہشات کے پیچھے چل کر اپنے آبائی مذہب سے وابستہ رہتے ہیں خواہ انہیں ہزاروں خدا کیوں نہ تسلیم کرنا پڑیں اور خواہ انہیں اینٹ پتھر کی پوجا کیوں نہ کرنا پڑے۔ ان باتوں کی نامعقولیت بالکل واضح ہے لیکن جب انہوں نے اس معاملہ میں عقل کی روشنی میں چلنے سے انکار کیا تو ان کے مصنوعی خدا بھی ان کو حقیقی معلوم ہونے لگے۔

قرآن تمام انسانوں کو دعوت دیتا ہے کہ خدا اور مذہب کے معاملہ میں حق کیا ہے اسکو معلوم کرنے کیلئے وہ اپنی عقل کی روشنی میں غور کریں اور انبیائی ہدایت سے مدد لیں۔

واضح رہے کہ الحاد (خدا کا انکار) بھی عقل کا تقاضہ نہیں ہے بلکہ وہ بھی ویسی ہی نامعقول بات ہے جیسے متعدد خداؤں کو تسلیم کرنا۔

آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم
سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ
وہ کیا کرتے رہے ہیں۔(القرآن)

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٦٣﴾

۶۳ یہ ہے وہ جہنم، جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا۔

اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٦٤﴾

۶۴ اب داخل ہوجاؤ اس میں اس کفر کی پاداش میں جو تم کرتے رہے۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٦٥﴾

۶۵ آج ہم ان کے منہ پر مہر لگادیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں۔ ۷۰ے

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰۤى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿٦٦﴾

۶۶ اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھیں مٹادیں، پھر وہ راستہ کی طرف بڑھیں۔ انہیں کہاں سے دکھائی دے گا؟ ۷۱ے

وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٧﴾

۶۷ اور اگر ہم چاہیں تو انہیں ان کی جگہ ہی پر مسخ کردیں، پھر نہ وہ آگے بڑھ سکیں اور نہ پیچھے لوٹ سکیں۔ ۷۲ے

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٨﴾

۶۸ اور جس کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں اس کو ہم خلقت میں اوندھا کردیتے ہیں۔ پھر کیا وہ عقل سے کام نہیں لیتے؟ ۷۳ے

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦٩﴾

۶۹ ہم نے اس (نبی) کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ اس کے شایانِ شان ہے۔ یہ تو ایک یاددہانی اور واضح قرآن ہے۔ ۷۴ے

لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٠﴾

۷۰ تاکہ وہ ان لوگوں کو خبردار کردے جو زندہ ہیں اور کافروں پر حجت قائم ہوجائے۔ ۷۵ے

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَاۤ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿٧١﴾

۷۱ کیا وہ غور نہیں کرتے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کیلئے چوپائے پیدا کئے، تو وہ ان کے مالک ہیں۔ ۷۶ے

وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿٧٢﴾

۷۲ اور ہم نے اُن کو اُن کے ماتحت کردیا، تو ان میں سے کوئی ان کی سواری کے کام آتا ہے اور کسی کا وہ گوشت کھاتے ہیں۔

وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾

۷۳ اور ان کے لئے ان میں دوسری منفعتیں ۷۷ے اور مشروبات بھی ہیں ۷۸ے۔ پھر کیا وہ شکر نہیں کریں گے؟ ۷۹ے

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٧٤﴾

۷۴ مگر انہوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنالئے ہیں، اس امید پر کہ ان کی مدد کی جائے گی۔

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿٧٥﴾

۷۵ وہ ان کی مدد نہیں کرسکتے، بلکہ یہ ان کے لشکر کی حیثیت سے حاضر کردیئے جائیں گے۔ ۸۰ے

۷۰۔ قیامت کے دن کافروں کو مختلف مراحل سے گزرنا ہوگا۔ ایک مرحلہ وہ آئے گا کہ ان کی زبانیں ان کے منشاء کے مطابق بات نہ کرسکیں گی اوران کے اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ ناطق ہوکر گواہی دیں گے کہ وہ کیا عمل کرتے رہے ہیں۔

۷۱۔ یعنی یہ لوگ اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے کہ اگر مثال کے طور پر وہ ان کی آنکھیں ہی مٹا دے تو ان کا کیا حال ہوگا۔ کیا وہ اس قابل رہ سکیں گے کہ راستہ کی طرف بڑھیں۔ جب آنکھیں ہی نہیں رہیں گی تو انہیں دکھائی کہاں سے دے گا؟ آنکھیں مٹا دینے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں ایک صورت یہ بھی ہوسکتی کہ کسی حادثہ سے اللہ تعالیٰ دوچار کردے اور آنکھیں پھوٹ جائیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بینائی کو زائل کرنے والا عذاب آ پکڑے، جس طرح حضرت لوط کے گھر پر حملہ کرنے والوں کی آنکھیں مٹا دی گئیں تھیں۔ اگر انسان اس بات پر غور کرے کہ اس کا خالق و مالک اگر چاہے تو اس کی صلاحیتیں اور قوتیں کسی وقت بھی سلب کرسکتا ہے، تو اس کے ڈر سے کانپ اٹھے۔ اور جب اس کے ڈر سے وہ کانپ اٹھے گا تو پھر اپنے کو اس راہ پر ڈال دے گا جو تقویٰ کی راہ ہے۔

۷۲۔ یعنی اللہ کے عذاب کی ایک شکل یہ بھی ہوسکتی ہے، کہ وہ ان کافروں کی صورتیں عین اس وقت مسخ کردے جب کہ یہ راہ چل رہے ہوں اور نہ صرف صورتیں مسخ کردے بلکہ ان کو پوری طرح مسخ کرکے رکھ دے، کہ پھر نہ وہ آگے قدم بڑھا سکیں گے اور نہ گھر لوٹ سکیں گے، بلکہ راستہ ہی میں جہاں تھے وہیں ڈھیر ہوکر رہ جائیں گے۔ اس کی صورت آسمانی عذاب کی بھی ہوسکتی ہے اور حادثات کی بھی جن میں لاشیں اس طرح نکلتی ہیں کہ ہاتھ پیر غائب ہوتے ہیں اور صورتیں بالکل مسخ۔ موجودہ زمانہ میں تو موٹر، ٹرین اور ہوائی جہاز کے المناک حادثات بہ کثرت ہورہے ہیں اور عبرت پذیری کا برابر سامان کررہے ہیں مگر ہے کوئی جو ان حادثات کو دیکھ کر اللہ سے ڈرے!

۷۳۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ نحل نوٹ ۱۰۴۔

یہاں واضح کرنا یہ مقصود ہے کہ جو خدا انسان کی صلاحیتیں بڑھاپے میں بتدریج کم کردیتا ہے، وہ اگر چاہے تو کسی وقت بھی ان صلاحیتوں کو پوری طرح سلب کرسکتا ہے۔ اگر اس پہلو سے انسان اپنی صلاحیتوں پر غور کرے تو کبھی گھمنڈ میں مبتلا نہ ہو اور خدا کے آگے جھک جائے۔

۷۴۔ یہ کافروں کے اس الزام کی تردید ہے، کہ یہ شخص نبی نہیں بلکہ شاعر ہے اور قرآن اشعار کا مجموعہ ہے۔ فرمایا شعر کہنا ہم نے اپنے نبی کو نہیں سکھایا اور نہ شاعری نبی کی شایانِ شان ہے۔ یہ کلام سرتاسر یاددہانی اور واضح طور سے پڑھی جانے والی کتاب (قرآن) ہے۔

شاعری میں قافیہ بندی اور کلام کو موزوں بنانا ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا شاعر قافیہ ملانے اور کلام کو موزوں بنانے کیلئے خیالی اور دور از کار باتیں کرنے لگتا ہے۔ کوئی مربوط بات پیش کرنے کے بجائے وہ منتشر باتیں اشعار کی صورت میں ڈھال دیتا ہے۔ گویا شاعری کی خصوصیت ہی خیال آرائی ہے اس لئے یہ منصب نبوت سے بہت فروتر چیز ہے۔ نبی جو بات بھی کہتا ہے ٹھوس، اٹل اور حقیقت پر مبنی ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور جو قرآن آپ پر نازل ہوا اس کو شاعری سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ ہر وہ شخص جو اس کا مطالعہ کرے یہ محسوس کرسکتا ہے کہ اس میں خیال آرائی کا کوئی دخل نہیں ہے اور نہ اس میں قافیہ بندی کیلئے تک بندی کی گئی ہے۔ بلکہ یہ کتاب انسان کے بھولے ہوئے سبق کی یاددہانی، سرتاسر نصیحت اور ایسا واضح کلام ہے کہ ہر شخص اس کو سمجھ سکتا ہے اور اس سے ہدایت و رہنمائی حاصل کرسکتا ہے۔

۷۵۔ یعنی جن کے دل مُردہ نہیں ہیں بلکہ زندہ ہیں وہ پیغمبر کی اس تنبیہ کا اثر قبول کریں گے جو قرآن کے ذریعے کی جارہی ہے۔ رہے وہ لوگ جن کے دل بالکل مُردہ ہوچکے ہیں تو وہ کوئی اثر قبول کرنے سے رہے، البتہ ان پر اللہ کی حجت ضرور قائم ہوجائے گی اور وہ قیامت کے دن یہ عذر نہ کرسکیں گے، کہ ان کو اس انجام کی خبر نہیں تھی۔

۷۶۔ مطلب یہ ہے کہ یہ چوپائے جو ان کی ملکیت میں آجاتے ہیں اور جن سے وہ طرح طرح کے فائدے اٹھاتے ہیں اللہ ہی کے ہاتھوں کی کاریگری ہے۔ کسی اور کے ہاتھوں کی نہیں۔

آیت کا مفہوم بالکل واضح ہے اور اس بحث میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ اللہ کے ہاتھوں کی حقیقت کیا ہے۔ ہمارے لئے یہ جاننا کافی ہے کہ اس کے جیسی کوئی چیز نہیں۔ اس لئے مخلوق کے ہاتھوں پر خالق کے ہاتھوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے۔

۷۷۔ چمڑا، اُون وغیرہ نیز بیلوں سے زمین جوتنے کا کام۔

۷۸۔ یعنی گائے، بکری اور اونٹ کے مختلف قسم کے دودھ۔

۷۹۔ یہ نعمتیں جب اللہ ہی کی بخشی ہوئی ہیں تو اس پر اس کا شکر واجب ہے اور یہ شکر اسی صورت میں ادا ہوسکتا ہے جب اس کو واحد الٰہ اور رب مان کر اس کی عبادت واطاعت کی جائے۔

۸۰۔ یعنی ان کے یہ معبود ان کی مدد کیا کریں گے الٹا یہ اپنے معبودوں کے لشکر کی حیثیت سے گرفتار کر کے اللہ کے حضور حاضر کردئے جائیں گے۔ یہ دنیا میں اپنے معبودوں کی جے پکارتے رہے، ان کے بت بنا کر اور ان کیلئے مندر تعمیر کر کے خدائے واحد کے پرستاروں سے الجھتے اور کشمکش کرتے رہے، یہاں تک کہ ان معبودوں کی حمایت میں ان سے جنگیں بھی کیں۔ اس طرح دنیا میں یہ معبودوں کی فوج بن کر رہے لہٰذا قیامت کے دن ان کو ان کے معبودوں کے لشکر کی حیثیت سے گرفتار کر کے اللہ کے روبرو حاضر کردیا جائے گا۔

وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے حکم
دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ (القرآن)

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٦﴾

۷۶ تو ان کی باتیں تمہارے لئے باعثِ رنج نہ ہوں ۸۱؎ ۔ ہم ان کی ان باتوں کو بھی جانتے ہیں جو یہ چھپاتے ہیں اور ان کو بھی جو یہ ظاہر کرتے ہیں۔

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ ﴿٧٧﴾

۷۷ کیا انسان نے غور نہیں کیا کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا پھر وہ کھلا جھگڑالو بن کر اٹھ کھڑا ہوا ! ۸۲؎

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٧٨﴾

۷۸ اور ہمارے لئے مثالیں بیان کرتا ہے ۸۳؎ اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے ۸۴؎۔ کہتا ہے ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے جب کہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٧٩﴾

۷۹ کہو ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ اور وہ ہر مخلوق کو جانتا ہے۔ ۸۵؎

الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقِدُونَ ﴿٨٠﴾

۸۰ وہی ہے جس نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ پیدا کر دی اور تم اس سے آگ جلاتے ہو۔ ۸۶؎

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ
بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿٨١﴾

۸۱ کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اس بات پر قادر نہیں کہ ان جیسوں کو پیدا کرے ۸۷؎۔ کیوں نہیں؟ وہ بڑا پیدا کرنے والا علم والا ہے۔ ۸۸؎

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٨٢﴾

۸۲ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے حکم دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ ۸۹؎

فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾

۸۳ تو پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اقتدار ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ ۹۰؎

۸۱۔ یہ نبی ﷺ کے لئے تسلی کے کلمات ہیں، کہ اتنی واضح اور معقول باتوں کو بھی سمجھنے کیلئے تیار نہیں ہیں، تو تم ان کا کیوں غم کرو۔ وہ اپنے انجام کو پہنچ کر رہیں گے۔

۸۲۔ یعنی انسان بنا تو ہے ایک حقیر پانی کی بوند سے لیکن اپنی بڑائی کا گھمنڈ اس کے سر میں ایسا سما گیا ہے کہ وہ اپنے رب کی بات بھی ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا اور اس کا مخالف بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اگر وہ اپنی بے مائیگی پر غور کرتا تو اس کے اندر اپنے رب کی بندگی اور عجز و نیاز کا احساس ابھرتا، مگر وہ اپنی حقیقت کو بُھلا کر خدا کے بارے میں ایسی باتیں کہتا ہے جو خلافِ حق ہیں اور ان کو زبان پر لانا اس کو زیب نہیں دیتا۔

۸۳۔ یعنی اللہ کو مخلوق پر قیاس کر کے اس کی نسبت ایسی باتیں کہنے لگتا ہے، جس سے اس کی ذات وصفات میں عیب اور نقص لازم آتا ہے۔ حالانکہ وہ ہر قسم کے عیب و نقص سے بالکل پاک ہے۔

۸۴۔ یعنی اللہ کے بارے میں یہ خیال کرتا ہے کہ وہ انسان کو اس کے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے، کہ اس کو اللہ نے پانی کی ایک بوند سے جیتا جاگتا انسان بنا کر کھڑا کیا ہے۔ جس ہستی کی یہ کارفرمائی ہو اس کی قدرت محدود کس طرح ہو سکتی ہے؟

۸۵۔ یعنی وہ اپنی ہر مخلوق کو تمام جزئی تفصیلات کے ساتھ جانتا ہے۔ اس کو ہر ایک کے اجزائے ترکیبی کا علم ہے اور دیگر تمام خصوصیات کا بھی۔ پھر اس کیلئے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟

۸۶۔ قدیم زمانہ میں جب کہ ماچس اور لائٹر ایجاد نہیں ہوئے تھے، آگ پیدا کرنے کا ایک ذریعہ بعض درختوں کی ٹہنیاں تھیں جن کو ایک دوسرے پر رگڑنے سے آگ پیدا ہو جاتی تھی۔ عرب میں اس زمانہ میں اس قسم کے دو درخت پائے جاتے تھے جن کے نام مَرخ اور عَفار تھے، ایک نر تھا اور دوسرا مادہ۔ چنانچہ عربی کی مشہور لغت لسان العرب میں ان کے بارے میں یہ صراحت ہے کہ:

''یہ مَرخ اور عَفار ہیں اور ان دونوں درختوں میں آگ ہوتی ہے۔ دوسرے درختوں میں نہیں۔ اور ان کی ٹہنیوں سے چقماق بنائے جاتے ہیں اور ان سے آگ نکالی جاتی ہے۔ ازہری کہتے ہیں میں نے یہ درخت صحرا میں دیکھا ہے۔'' (لسان العرب ج ۴ ص ۵۸۹)

ہرے بھرے درخت سے آگ کی چنگاری پیدا کر دینا اللہ کی قدرت کا بہت بڑا کرشمہ ہے۔ اور یہ بھی اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ آگ میں جو لکڑی جلائی جاتی ہے وہ بھی ہرے بھرے درختوں سے ہی حاصل کی جاتی ہے۔ پانی بھی آکسیجن اور ہائیڈروجن سے مرکب ہوتا ہے اور آکسیجن آگ پکڑنے والی گیس ہے۔ سائنس کے ان انکشافات نے اللہ کی قدرت کے کرشموں کے کئی اور نمونے ہمارے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔

۸۷۔ یعنی جس گوشت پوست کے انسان اس زمین پر پیدا ہوئے اسی گوشت پوست کے انسان دوبارہ پیدا کر دے۔

۸۸۔ یعنی انسانوں کی اتنی بڑی تعداد کو پیدا کر کے وہ تھک نہیں گیا ہے بلکہ وہ زبردست قدرت والا ہے اور اس کی قدرت میں کبھی کوئی کمی ہونے والی نہیں اور وہ نہایت علم والا ہے اس سے کبھی بھول ہونے والی نہیں۔

۸۹۔ یعنی اس کو کسی چیز کی تخلیق کیلئے کوئی محنت نہیں کرنا پڑتی، بلکہ جب وہ اس کا ارادہ کر لیتا ہے تو جو چیز اس کے ارادہ میں ہوتی ہے اس کے لئے وہ ہو جا کہہ دیتا ہے اور اسی وقت وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے۔

اللہ کی تخلیقی قدرت کے بارے میں یہ بالکل صحیح علم ہے جو قرآن کے ذریعہ انسان کو بخشا گیا ہے۔ اسکے بعد ان فلسفیانہ بحثوں کیلئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی جن میں اہلِ مذاہب الجھ کر رہ گئے ہیں۔

۹۰۔ یہ اس سورہ کی اختتامی آیت ہے جس میں چند لفظوں میں تین اہم باتیں بیان ہوئی ہیں اور اس طرح بیان ہوئی ہیں کہ دل میں اتر جاتی ہیں۔ ایک

یہ کہ اللہ کی ذات ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہے۔ دوسری یہ کہ ہر چیز اسی کے زیر اقتدار ہے اور سب پر اسی کی حکومت چھائی ہوئی ہے۔ اس کائنات میں سارا اختیار اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اور تیسری بات یہ کہ بالآخر جب لوگوں کو پلٹ کر اسی کے حضور جانا ہے۔ تاکہ وہ اپنے اعمال کی جواب دہی کریں اور اپنے اعمال کے مطابق اچھا یا بُرا بدلہ پائیں۔ اس طرح توحید اور آخرت دونوں کے مضامین اس آیت میں سمٹ کر آ گئے ہیں اور ان کے اندر سے رسالت کا تقاضا خود بخود ابھر رہا ہے۔ قرآن کے اعجاز اور معجزانہ کلام کی یہ ایک واضح مثال ہے۔

۳۷۔ الصَّآفَّات

نام سورہ کا آغاز **وَالصّٰٓفّٰتِ** (قسم ہے صف بستہ فرشتوں کی) سے ہوا ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام 'الصافات' ہے۔

زمانۂ نزول آیات کی ترکیب اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مکہ کے درمیانی دور میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون اس سورہ میں اللہ کے واحد معبود ہونے پر ایک اور انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے۔اور اس کی تائید میں ملاء اعلیٰ کی شہادت پیش کی گئی ہے۔نیز اس حقیقت کو ماننے کے نتیجہ میں مرتب ہونے والی جزا اور نہ ماننے کے نتیجہ میں ملنے والی سزاؤں کو اس طرح پیش کیا گیا ہے، کہ مستقبل کے احوال کی ایک جھلک آج ہی دیکھی جاسکتی ہے۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۱۰ میں اللہ کے واحد معبود ہونے پر فرشتوں کی شہادت پیش کی گئی ہے۔اور واضح کیا گیا ہے کہ شیطانوں کی پہنچ ملأ اعلیٰ تک نہیں ہے، انہیں اس سے دور رکھا گیا ہے۔

آیت ۱۱ تا ۷۴ میں دوسری زندگی کے احوال پیش کئے گئے ہیں۔ایک طرف غیر اللہ کے پرستاروں کا بُرا انجام بیان کیا گیا ہے تو دوسری طرف اللہ کے پرستاروں کا بہترین انجام۔

آیت ۷۵ تا ۱۴۸ میں متعدد انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ہے، جنہوں نے دعوتِ توحید کو پیش کرتے ہوئے طرح طرح کے مصائب برداشت کئے اور اللہ کی راہ میں زبردست قربانیاں پیش کیں۔اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کا بہترین صلہ عطا فرمایا۔

آیت ۱۴۹ تا ۱۷۰ میں مشرکین کے باطل عقائد، خاص طور سے فرشتوں کے بارے میں غلط تصورات کی تردید کرتے ہوئے فرشتوں کا اپنا بیان پیش کیا گیا ہے۔

آیت ۱۷۱ تا ۱۸۲ سورہ کی اختتامی آیات ہیں، جن میں رسول کے لئے نصرت الٰہی اور اللہ کے لشکر یعنی رسول کے پیروؤں کیلئے غلبہ کی خوشخبری دی گئی ہے۔

سُوْرَةُ الصَّافَّات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿١﴾

فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿٢﴾

فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ﴿٣﴾

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿٤﴾

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴿٥﴾

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ ﴿٦﴾

وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ﴿٧﴾

لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ﴿٨﴾

دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ﴿٩﴾

اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿١٠﴾

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿١١﴾

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿١٢﴾

وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿١٣﴾

وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿١٤﴾

وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿١٦﴾

اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿١٧﴾

۳۷۔ سُوْرَةُ الصَّافَّات

آیات: ۱۸۲

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ صف بہ صف کھڑے ہونے والے (فرشتوں) کی قسم۔ ۱؎

۲ اور ڈانٹنے دھتکارنے والوں کی۔ ۲؎

۳ اور ذکر (الٰہی) کی تلاوت کرنے والوں کی۔ ۳؎

۴ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ ۴؎

۵ وہ جو آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی موجودات کا رب ہے اور تمام مشرقوں کا رب۔ ۵؎

۶ ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا ہے۔ ۶؎

۷ اور ہر سرکش شیطان سے اس کو محفوظ کر دیا ہے۔ ۷؎

۸ وہ ملاء اعلیٰ کی باتیں نہیں سن سکتے اور ہر طرف سے ان پر مار پڑتی ہے۔ ۸؎

۹ وہ دھتکارے جاتے ہیں ۹؎ اور ان کیلئے دائمی عذاب ہے۔ ۱۰؎

۱۰ اگر کوئی کچھ اچک لے تو ایک چمکتا شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔ ۱۱؎

۱۱ ان سے پوچھو، کیا ان کو پیدا کرنا مشکل ہے یا جن کو ہم پیدا کر چکے ہیں ان کو پیدا کرنا مشکل تھا ۱۲؎؟ ہم نے ان کو لیسدار مٹی سے پیدا کیا ہے۔ ۱۳؎

۱۲ تم تعجب کرتے ہو اور یہ مذاق اڑاتے ہیں۔ ۱۴؎

۱۳ اور جب ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو وہ نصیحت قبول نہیں کرتے۔

۱۴ اور جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔

۱۵ اور کہتے ہیں یہ تو صریح جادو ہے۔ ۱۵؎

۱۶ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن کر رہ جائیں گے تو ہمیں اٹھا کھڑا کیا جائے گا؟

۱۷ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا کو بھی؟

۱۔ صف باندھ کر کھڑے ہونے والوں سے مراد فرشتے ہیں جیسا کہ اسی سورہ کی آیت ۱۶۵ سے واضح ہے جس میں فرشتوں کا یہ بیان نقل ہوا ہے: وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّوْنَ ''اور ہم (اللہ کے حضور) صف باندھے کھڑے رہتے ہیں۔'' قسم شہادت (گواہی) کے مفہوم میں ہے اور یہ عربی میں بلاغت کا ایک اسلوب ہے۔ایسے موقع پر قسم کے وہ معنی نہیں ہوتے جو ہم اپنی زبان میں سمجھتے ہیں۔یعنی کسی کی عظمت کے پیشِ نظر اس کی قسم کھانا ایسی قسم صرف اللہ ہی کی کھائی جاتی ہے۔

آیت میں مَلَاءِ اعلیٰ (آسمانی دربار) کی ایک جھلک پیش کی گئی ہے۔فرشتوں کا اللہ کے حضور صف باندھ کر عجز و نیاز کے ساتھ کھڑے ہوجانا اس بات کے شہادت ہے کہ اللہ ہی ان کے نزدیک لائق عبادت ہے۔

۲۔ یعنی فرشتے شیاطین کو ڈانٹتے اور دھتکارتے ہیں۔وہ ان سرکشوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے بلکہ ان کو لعنت ملامت کرتے ہیں۔

۳۔ مراد فرشتے ہیں جو ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ذکر کے ساتھ تلاوت کا لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ فرشتوں کے لئے بھی ذکر کے کچھ کلمات مخصوص کر دیئے گئے ہیں،جس طرح ہمارے لئے سُبْحَانَ اللّٰہِ ،اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے کلمات مخصوص کر دئے گئے ہیں۔ذکر کیلئے یہ مخصوص کلمات جو اللہ ہی کے سکھائے ہوئے ہیں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

فرشتے اللہ کے سکھائے ہوئے کلمات کے ساتھ ذکر کا اہتمام کرتے ہیں اس لئے اس کو تلاوتِ ذکر سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ تلاوتِ ذکر عبادت ہے۔

۴۔ یہ ہے وہ بات جس پر فرشتوں کی عبادت کو بطورِ شہادت پیش کیا گیا ہے۔مطلب یہ ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے اور وہی ہے جو عالمِ بالا میں فرشتوں کا بھی معبود ہے۔

۵۔ آسمان وزمین کے درمیان کی موجودات بے حد وحساب ہیں۔ماہرین فلکیات کہتے ہیں کہ صرف اس کہکشاں میں جس میں ہماری زمین واقع ہے کروڑہا تارے پائے جاتے ہیں:

" Our Galaxy is a Vast system of 100 billion stars." (The Cambridge Ency. of Astronomy, London. P. 313)

اتنی وسیع کائنات کا خالق و مالک کون ہے اور اس پر کس کی حکومت قائم ہے؟اس سوال کا علمی سطح پر جواب اس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا کہ ایک خدا ہی پوری کائنات کا خالق و مالک ہے اور اسی کی حکومت اس پر قائم ہے۔

آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرق ایک نہیں بلکہ کئی ایک ہیں اور یہ بات موجودہ علم الافلاک (Astronomy) کی روشنی میں سمجھنا انسان کے لئے آسان ہوگیا ہے۔جس طرح زمین پر سورج کے طلوع اور غروب سے مشرق اور مغرب بن گئے ہیں اسی طرح دیگر سیاروں پر بھی مشرق و مغرب کا وجود ہے۔قرآن نے مشرقوں کا رب کہہ کر اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ یہ کائنات نہایت وسیع ہے۔اس کو ایک مشرق تک محدود نہ سمجھو اور اس وسیع کائنات کا ایک ہی مالک ہے اور وہ ہے اللہ۔

۶۔ یعنی آسمان کو تاروں سے اس طرح آراستہ کیا ہے کہ اس کا جمالیاتی منظر نگاہوں کیلئے وجہ کشش بن گیا ہے۔اور دیکھنے والوں کو دعوتِ فکر دیتا ہے کہ وہ کون ہے،جس نے اپنی حسن صنعت کا یہ نمونہ پیش کر دیا ہے؟

۷۔ یعنی سرکش شیطان جب آسمان کی طرف پرواز کرتے ہیں تا کہ وہ عالم بالا کی خبریں لائیں تو ان کی رسائی آسمان تک نہیں ہو پاتی۔اس کو شیطانوں کے گھس آنے سے بالکل محفوظ کر دیا گیا ہے۔

۸۔ "**ملاءاعلیٰ**" سے مراد عالم بالا کا دربار یعنی فرشتوں کی بزم ہے۔اس بزم کی کوئی بات شیطان سن نہیں سکتے۔اسلئے یہ خیال غلط ہے کہ شیاطین آسمان کی خبریں کاہنوں تک پہنچاتے ہیں اور اسی غلط تصور کی بنا پر کفارِ مکہ نبی ﷺ کے کاہن ہونے کا شبہ ظاہر کرتے تھے۔وہ کہتے تھے کہ آپ عالمِ بالا کی جو خبریں سنا رہے ہیں وہ شیطان کی لائی ہوئی خبریں ہیں جن میں جھوٹ کی آمیزش ہے۔اس خیال کی تردید میں یہاں فرمایا گیا ہے کہ شیطان ملاءاعلیٰ کی باتیں سن ہی نہیں سکتے۔انہیں اس سے دور رکھا گیا ہے۔اور ایسا انتظام کیا گیا ہے کہ اگر وہ اس حد سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں جو ان کی پرواز کیلئے مقرر کی گئی ہے تو ان پر ہر طرف سے مار پڑتی ہے۔

۹۔ یعنی فرشتے ان کو دھتکارتے ہیں۔

۱۰۔ یعنی آخرت میں ان شیاطین کیلئے ہمیشہ کا عذاب ہے۔

۱۱۔ 'شہاب' کے معنی شعلہ کے ہیں اور مراد ستاروں سے نکلنے والے شعلے ہیں۔کوئی شیطان آسمان کی خبریں لانے کیلئے ستاروں سے آگے پرواز کرنے کی کوشش کرتا ہے تو ستاروں سے نکلنے والا شعلہ اس کا تعاقب کرتا ہے۔یعنی اس کی مار اس پر پڑتی ہے اور وہ آگے بڑھنے نہیں پاتا۔

مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ حجر نوٹ ۱۶۔

۱۲۔ یعنی انسانوں،''فرشتوں'' جنوں کو جو ہم پیدا کر چکے ہیں تو ان کو عدم سے وجود میں لانا سخت مشکل کام تھا یا انسان کی دوسری تخلیق سخت مشکل کام ہے؟اگر پہلی چیز اللہ کے لئے آسان تھی تو دوسری چیز اور بھی آسان ہونا چاہئے۔ان لوگوں کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

مَنْ عربی زبان میں ذوی العقول کیلئے آتا ہے اس لئے ہم نے اس کی رعایت سے اَمَنْ خَلَقْنَا کا ترجمہ ''یا جن کو ہم پیدا کر چکے ہیں ان کو'' کیا ہے۔

۱۳۔ انسان کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے اور جس مٹی سے انسان کا ڈھانچہ بنایا گیا ہے اس کو مختلف حالتوں سے گزارا گیا۔قرآن نے مختلف مقامات پر اس کی مختلف حالتوں کا ذکر کیا ہے۔یہاں اس کی اُس حالت کا ذکر کیا ہے جب کہ وہ پانی سے مل کر لیسدار یعنی چپکنے والی بن گئی تھی۔اسی سے انسان کا قالب ڈھالا گیا۔

۱۴۔ یعنی اے پیغمبر اللہ کی قدرت کی ان کرشمہ سازیوں کو دیکھ کر تمہیں حیرت ہوتی ہے کہ اس نے اپنی تخلیق کے کیسے اعلیٰ نمونے پیش کر دیئے ہیں۔لیکن ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ کی قدرت کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ دوسری مرتبہ پیدا کرنا ممکن نہیں۔

۱۵۔ یعنی جب ان کے سامنے کوئی ایسی حجت آجاتی ہے جو نبی (ﷺ) کی نبوت پر دلالت کرنے والی ہوتی ہے تو وہ اس کا مذاق اڑانے لگتے ہیں۔اور جب اس کی یہ تاثیر دیکھتے ہیں کہ وہ دلوں کو مسخر کئے جا رہی ہے تو اس کی توجیہ وہ یہ کرتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو اپنا اثر دکھا رہا ہے۔اس طرح ان پر نہ نصیحت کارگر ہوتی ہے اور نہ حجت۔

وہ تو ایک ہی ڈانٹ ہو گی اور دفعۃً وہ (قیامت کا منظر) دیکھنے لگیں گے۔ (القرآن)

قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دٰخِرُوْنَ ۚ ١٨	١٨ کہو ہاں اور تم ذلیل بھی ہو جاؤ گے۔١٦؎
فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ١٩	١٩ وہ تو ایک ہی ڈانٹ ہوگی اور دفعۃً وہ (قیامت کا منظر) دیکھنے لگیں گے۔١٧؎
وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ٢٠	٢٠ کہیں گے ہم پر افسوس یہ بدلہ کا دن ہے۔١٨؎
هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ٢١	٢١ یہ وہی فیصلہ کا دن ہے جسے تم جھٹلاتے تھے۔١٩؎
اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ٢٢	٢٢ جمع کرو ظالموں کو اور ان کے ساتھیوں کو اور ان کو بھی جن کی یہ پرستش کیا کرتے تھے۔
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ٢٣	٢٣ اللہ کو چھوڑ کر (جن کی یہ پرستش کیا کرتے تھے)۔ پھر ان سب کو جہنم کا راستہ دکھاؤ۔٢٠؎
وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ٢٤	٢٤ اور انہیں (ذرا) ٹھہراؤ۔ ان سے کچھ پوچھنا ہے۔٢١؎
مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ٢٥	٢٥ کیا بات ہے اب تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟٢٢؎
بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ٢٦	٢٦ بلکہ یہ تو آج بڑے فرمانبردار بنے ہوئے ہیں۔٢٣؎
وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ٢٧	٢٧ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باہم ردو کد کرینگے۔٢٤؎
قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ٢٨	٢٨ کہیں گے۔ تم ہی ہمارے پاس دہنی طرف سے آتے تھے۔٢٥؎
قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ٢٩	٢٩ وہ جواب دیں گے نہیں، بلکہ تم خود ایمان لانے والے نہ تھے۔
وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ٣٠	٣٠ اور ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا۔ تم خود ہی سرکش لوگ تھے۔٢٦؎
فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآىِٕقُوْنَ ٣١	٣١ بالآخر ہم پر ہمارے رب کا فرمان پورا ہو کر رہا٢٧؎۔ ہم کو (عذاب کا) مزا چکھنا ہی ہوگا۔
فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ٣٢	٣٢ تو ہم نے تم کو بہکایا۔ ہم خود بہکے ہوئے تھے۔٢٨؎
فَاِنَّهُمْ يَوْمَىِٕذٍ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ٣٣	٣٣ اس طرح اس دن وہ سب عذاب میں شریک ہوں گے۔٢٩؎
اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ٣٤	٣٤ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کریں گے۔٣٠؎
اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ٣٥	٣٥ یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو تکبر کرتے۔
وَيَقُوْلُوْنَ اَىِٕنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ٣٦	٣٦ اور کہتے ہم ایک دیوانہ شاعر کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔٣١؎

۱۶۔ یعنی تم اس حال میں اٹھائے جاؤ گے کہ تمہارا غرور ختم ہو چکا ہو گا اور تم اپنے آپ کو بالکل بے بس پاؤ گے۔

۱۷۔ یعنی قیامت کے دن اللہ کی اپنے بندوں کیلئے ایک ڈانٹ ہوگی کہ اٹھو اور حساب کیلئے میرے حضور حاضر ہو جاؤ۔ اس ڈانٹ کے نتیجے میں سارے مرے ہوئے انسان فوراً اٹھ کھڑے ہوں گے۔ گویا ایک ڈانٹ تمام انسانوں کو جو سوئے پڑے تھے جگادے گی اور میدانِ حشر میں لا کھڑا کرے گی جہاں سب کے سامنے قیامت کا منظر ہوگا۔

۱۸۔ وہ قیامت کا منظر دیکھ کر اپنے حال پر افسوس کرنے لگیں گے کہ یہ کیا ہوا۔ ہم تو جزا و سزا کو جھٹلاتے رہے اور آج جزا و سزا کا دن برپا ہو گیا۔ اب ہماری شامت آ گئی ہے۔

۱۹۔ یعنی اس وقت ان کو احساس دلایا جائے گا کہ تم تو فیصلہ کے دن کو جھٹلاتے تھے۔ اب دیکھ لو وہ دن برپا ہو گیا ہے۔

۲۰۔ یہ حکم فرشتوں کو ہوگا کہ ظالم لیڈروں اور پیشواؤں کو جمع کرو اور ان کے ساتھیوں اور پیروؤں کو بھی، نیز ان بتوں کو بھی جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے رہے ہیں۔ پھر سب کو جہنم کی طرف لیجاؤ۔

۲۱۔ یعنی جب وہ جہنم کے قریب پہنچیں گے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا کہ ان کو ذرا روکو تا کہ ان سے پوچھا جائے۔ جو بات پوچھی جائے گی وہ آگے بیان ہوئی ہے۔

۲۲۔ یعنی دنیا میں تو تم ایک دوسرے کے مددگار بنے رہے، ایک مذہبی گروہ کی حیثیت سے یک جہتی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ اب تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایک دوسرے سے بالکل بے تعلق ہو گئے ہو۔ اور اتنی بڑی مصیبت میں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ اس سوال کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکیں گے جس سے ان کی بے بسی ظاہر ہوگی۔

۲۳۔ یعنی دنیا میں تو وہ اللہ کے نافرمان بنے رہے لیکن آج انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ (Surrender) کر دیا ہے۔ اب جو حکم انہیں دیا جاتا ہے اس کی وہ تعمیل کرتے ہیں۔ کہاں گیا اب ان کی آزادی کا غرہ؟

۲۴۔ یعنی ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرائیں گے۔ لیڈر عوام کو اور عوام لیڈروں کو، مذہبی پیشوا اپنے پیروؤں کو اور پیرو اپنے پیشواؤں کو اور شیاطین اپنے چیلوں کو اور چیلے اپنے استادوں کو۔

۲۵۔ دہنی طرف سے کے معنی، عربی محاورہ کے مطابق ''خیر کی راہ سے'' کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہارے خیر خواہ بن کر آتے تھے مگر حقیقۃً تم نے ہماری بدخواہی کی۔ تم نے ہمیں سبز باغ دکھائے اور ہم تمہاری باتوں میں آ کر اس انجام کو پہنچ گئے۔

۲۶۔ وہ گمراہ کرنے والے کو جواب دیں گے کہ تم کب ایمان لانا چاہتے تھے اگر ایمان لانا ہوتا تو تم لے آتے، ہمارا کوئی زور تم پر نہیں تھا کہ تم کو ایمان لانے سے روک دیتے۔ تم خود اپنی سرکشی کے ذمہ دار ہو۔

۲۷۔ یعنی اس کا یہ فرمان کہ شیطان کے پیروؤں کو جہنم کی سزا بھگتنا ہوگی۔

۲۸۔ وہ اعتراف کریں گے کہ ہم بہکے ہوئے تھے اور جب ہم بہکے ہوئے تھے تو تم کو بھی بہکانے ہی کا کام کر سکتے تھے، مگر تم کیوں ہمارے بہکائے میں آ گئے؟

۲۹۔ یعنی لیڈر اور عوام اور پیشوا اور ان کے پیرو سب اپنی اپنی گمراہی کے ذمہ دار تھے اس لئے عذاب میں بھی سب شریک ہوں گے۔

عوام بھی بے قصور نہیں ہیں۔ وہ کیوں آنکھیں بند کر کے گمراہ لیڈروں اور مذہبی پیشواؤں کے پیچھے چلتے رہے؟ اور جب ان کے پیچھے چلتے رہے تو جس گڑھے میں وہ گریں گے اُسی گڑھے میں ان کو بھی گرنا ہوگا۔

۳۰۔ اشارہ ہے کفارِ مکہ کی طرف کہ ہم ان مجرمین کو بھی جہنم کی سزا دیں گے۔

۳۱۔ اللہ کے رسول کو وہ دیوانہ شاعر کہتے تھے۔

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳۷	۳۷ حالانکہ وہ حق لے کر آیا تھا اور اس نے رسولوں کی تصدیق کی تھی۔ ۳۲؎
اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۝۳۸	۳۸ اب تم کو دردناک عذاب کا مزا چکھنا ہے۔
وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۳۹	۳۹ اور تم کو اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے ہو۔ ۳۳؎
اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۴۰	۴۰ مگر اللہ کے مخصوص بندے اس سے محفوظ ہوں گے۔ ۳۴؎
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۴۱	۴۱ ان کیلئے مقرر رزق ہوگا۔ ۳۵؎
فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ۝۴۲	۴۲ میوے ہوں گے ۳۶؎ اور انہیں عزت سے سرفراز کیا جائے گا۔ ۳۷؎
فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۴۳	۴۳ نعمت بھری جنتوں میں۔
عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝۴۴	۴۴ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ۳۸؎
يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝۴۵	۴۵ بہتی ہوئی شراب کے جام ان کے درمیان گردش میں ہوں گے۔
بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝۴۶	۴۶ صاف شفاف۔ پینے والوں کیلئے لذت ہی لذت۔
لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۝۴۷	۴۷ نہ اس میں کوئی ضرر ہوگا اور نہ اس سے ان کی عقل جاتی رہے گی۔ ۳۹؎
وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ۝۴۸	۴۸ اور ان کے پاس نیچی نگاہیں رکھنے والی اور حسین آنکھوں والی عورتیں ہوں گی۔ ۴۰؎
كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ۝۴۹	۴۹ گویا وہ انڈے ہیں چھپائے ہوئے۔ ۴۱؎
فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝۵۰	۵۰ پھر وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر حال دریافت کرینگے۔
قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ۝۵۱	۵۱ ان میں سے ایک شخص کہے گا میرا ایک ساتھی تھا۔
يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ۝۵۲	۵۲ جو کہا کرتا تھا کیا تم بھی تصدیق کرنے والوں میں سے ہو؟ ۴۲؎
ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ۝۵۳	۵۳ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن کر رہ جائیں گے تو ہمیں (اٹھا کر) بدلہ دیا جائے گا؟
قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ۝۵۴	۵۴ ارشاد ہوگا کہ کیا تم اسے جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو؟ ۴۳؎
فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝۵۵	۵۵ وہ جھانک لے گا تو دیکھے گا کہ وہ جہنم کے بیچ میں ہے۔ ۴۴؎
قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ۝۵۶	۵۶ وہ کہے گا اللہ کی قسم تو، تو مجھے تباہ ہی کر دینے والا تھا۔
وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝۵۷	۵۷ اگر میرے رب کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی ان لوگوں میں سے ہوتا جو پکڑ کر لائے گئے ہیں۔ ۴۵؎

۳۲۔ یعنی قرآن کا پیغمبر حق لے کر آیا تھا اور اس کی تعلیم دوسرے پیغمبروں کی تعلیم سے جو پہلے آچکے تھے مختلف نہیں تھی کہ ان کیلئے انکار کی کوئی وجہ ہوتی۔ بلکہ اس نے ان رسولوں کی سچائی کا بھی اعلان کیا تھا اور اس کی تعلیم بھی ان کی تعلیم سے بالکل ہم آہنگ تھی نیز وہ ان پیشین گوئیوں کا مصداق بن کر آیا تھا جو ان رسولوں نے اس کے بارے میں دی تھیں۔

۳۳۔ یعنی تم پر کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی بلکہ تمہارے اعمال کا ٹھیک ٹھیک بدلہ تمہیں دیا جائے گا۔

۳۴۔ مخصوص بندوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت و بندگی کیلئے چن لیا۔ ان پر شیطان کا کوئی داؤ چل نہ سکا اور وہ اللہ کی توفیق سے اسی کے ہو کر رہے۔ ایسے لوگ قیامت کے دن عذاب سے محفوظ ہوں گے۔ اور نہ صرف عذاب سے محفوظ ہوں گے بلکہ جیسا کہ آگے بیان ہوا ہے بیش بہا انعامات سے نوازے جائیں گے۔

واضح رہے کہ ان انعامات کا وعدہ نام نہاد مسلمانوں سے نہیں کیا گیا ہے بلکہ ان لوگوں سے کیا گیا ہے جو اپنے ایمان و عمل سے واقعی اللہ کے بندے قرار پائیں گے۔

۳۵۔ یعنی انہیں اپنے رزق کی کوئی فکر نہیں کرنا ہوگی بلکہ انہیں اطمینان ہوگا کہ ان کیلئے رزق مقرر ہے جو ہمیشہ انہیں ملتا رہے گا۔

۳۶۔ میووں کا ذکر یہاں مثال کی طور پر ہوا ہے ورنہ دوسرے مقامات پر کھانے کی دوسری نفیس چیزوں کا بھی ذکر ہوا ہے۔ جنت میں جسم کو قائم رکھنے اور زندہ رہنے کیلئے غذا کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ انہیں ایسے جسم مل چکے ہوں گے جن میں کوئی نقص پیدا ہونے والا نہیں۔ وہاں کھانا پینا لذت اور سرور حاصل کرنے کیلئے ہوگا۔ اسی لئے میووں کا ذکر خصوصیت کے ساتھ ہوا ہے۔

۳۷۔ یعنی انہیں صرف کھانے پینے کی اشیاء ہی نہیں ملیں گی بلکہ عزت و سرفرازی بھی حاصل ہوگی۔

۳۸۔ جنت میں بیٹھنے کیلئے شاہانہ تخت ہوں گے اور اہلِ جنت ایک دوسرے کے سامنے اس طرح بیٹھیں گے کہ گویا انس و محبت کی مجلسیں ہیں۔

۳۹۔ یعنی جنت کی شراب دنیوی شراب سے بالکل مختلف ہوگی۔ نہ اس سے دردِ سر یا کسی اور قسم کا جسمانی ضرر لاحق ہوگا اور نہ عقل میں فتور آئے گا۔ وہ ہر قسم کی خرابی سے پاک، صاف ستھری اور نہایت لذیز شراب ہوگی۔ جنت کے اس مشروب کو شراب سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس سے ایک خاص قسم کا سرور اور لذت حاصل ہوگی جس کے سامنے دنیا کی شراب ہیچ ہے۔ گویا دونوں میں ناموں کا اشتراک تو ہے لیکن اپنی نوعیت اور کیفیت پیدا کرنے کے اعتبار سے دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

۴۰۔ یعنی ان کی رفاقت میں ایسی بیویاں ہوگی جو غایتِ حیاء سے اپنی نگاہیں نیچی کئے ہوئے ہوں گی۔ 'عِین' کے معنی، بڑی آنکھوں والی کے ہیں جو حسن کی علامت ہے۔

۴۱۔ ان کی سفید رنگت اور ان کے محفوظ و مستور ہونے کو ان انڈوں سے تشبیہ دی گئی ہے جن کو پرندے اپنے پروں کے نیچے چھپائے ہوئے ہوں۔ عرب کے جاہلی شاعر امرءالقیس نے بھی پردہ نشین دوشیزاؤں کیلئے وَبَیْضَۃِ خِدْرٍ کا کنایہ استعمال کیا ہے۔ ع

وَبَیْضَۃِ خِدْرٍ لایُرامُ خِبَاءُھا

۴۲۔ یعنی کیا تم بھی قیامت اور دوسری زندگی پر یقین رکھتے ہو؟

۴۳۔ اس کی بات ابھی پوری نہیں ہونے پائے گی کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا، کیا تم اسے جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو۔ اگر دیکھنا چاہتے ہو تو تم سب کو اس کا موقع حاصل ہے۔

۴۴۔ وہ شخص جوں ہی جھانک کر دیکھے گا تو اس کا ساتھی اسے جہنم کے درمیان میں دکھائی دے گا۔
معلوم ہوا کہ اہلِ جنت اگر جہنمیوں کو دیکھنا چاہیں گے تو بہ آسانی دیکھ سکیں گے۔اس کیلئے دوربین وغیرہ اسباب فراہم کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔
۴۵۔ وہ جنتی شخص اللہ کا شکرادا کرے گا کہ یہ اسی کا فضل ہوا کہ میں اپنے ساتھی کے بہکانے میں نہیں آیا۔آئندہ پیش آنے والے اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بیان فرمادیا تاکہ ہر شخص اپنے ساتھی کے معاملہ میں ہوشیار رہے اگر وہ آخرت کا منکر ہے تو اس کے بہکانے میں نہ آئے۔

دیکھ لو ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جنہیں خبردار
کردیا گیا تھا۔(القرآن)

أَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِينَ ﴿٥٨﴾
۵۸ کیا یہ بات نہیں ہے کہ اب ہم مرنے والے نہیں ہیں؟ ۴۶ ؎

إِلَّا مَوْتَتَنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿٥٩﴾
۵۹ بس پہلی موت تھی جو آ چکی ۴۷ ؎ اور نہ ہمیں کوئی عذاب دیا جائے گا۔ ۴۸ ؎

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٠﴾
۶۰ یقیناً یہی بڑی کامیابی ہے۔ ۴۹ ؎

لِمِثْلِ هَٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ ﴿٦١﴾
۶۱ ایسی ہی کامیابی کیلئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیئے۔ ۵۰ ؎

أَذَٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ﴿٦٢﴾
۶۲ یہ ضیافت بہتر ہے یا زقوم کا درخت؟ ۵۱ ؎

إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِّلظَّالِمِينَ ﴿٦٣﴾
۶۳ ہم نے اس کو ظالموں کیلئے فتنہ بنایا ہے۔ ۵۲ ؎

إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ﴿٦٤﴾
۶۴ وہ ایسا درخت ہے جو جہنم کی تہ سے نکلتا ہے۔ ۵۳ ؎

طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ ﴿٦٥﴾
۶۵ اس کے خوشے ایسے ہیں جیسے شیطانوں کے سر۔ ۵۴ ؎

فَإِنَّهُمْ لَآكِلُونَ مِنْهَا فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿٦٦﴾
۶۶ وہ اس کو کھائیں گے اور اس سے پیٹ بھریں گے۔ ۵۵ ؎

ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ ﴿٦٧﴾
۶۷ پھر اس پر ان کو پینے کیلئے گرم پانی دیا جائے گا۔ ۵۶ ؎

ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ ﴿٦٨﴾
۶۸ پھر ان کی واپسی آتشِ جہنم کی طرف ہوگی۔ ۵۷ ؎

إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَالِّينَ ﴿٦٩﴾
۶۹ انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا۔

فَهُمْ عَلَىٰ آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ ﴿٧٠﴾
۷۰ اور یہ ان ہی کے نقشِ قدم پر دوڑ رہے ہیں۔ ۵۸ ؎

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٧١﴾
۷۱ ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں میں بھی اکثر لوگ گمراہ ہوئے تھے۔ ۵۹ ؎

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِم مُّنذِرِينَ ﴿٧٢﴾
۷۲ اور ہم نے ان میں خبردار کرنے والے رسول بھیجے تھے۔

فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذَرِينَ ﴿٧٣﴾
۷۳ تو دیکھ لو ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جنہیں خبردار کر دیا گیا تھا۔

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿٧٤﴾
۷۴ اس انجام سے اللہ کے مخصوص بندے ہی محفوظ رہے۔ ۶۰ ؎

وَلَقَدْ نَادَانَا نُوحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ ﴿٧٥﴾
۷۵ اور نوح نے ۶۱ ؎ ہمیں پکارا تھا تو کیا ہی خوب ہیں ہم پکار کا جواب دینے والے۔ ۶۲ ؎

وَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿٧٦﴾
۷۶ ہم نے اس کو اور اس کے متعلقین کو سخت تکلیف سے نجات دی۔ ۶۳ ؎

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ﴿٧٧﴾
۷۷ اور اسی کی نسل کو باقی رکھا۔ ۶۴ ؎

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿٧٨﴾
۷۸ اور بعد والوں میں اس کے لئے ذکرِ جمیل باقی رکھا۔ ۶۵ ؎

سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ﴿٧٩﴾
۷۹ سلام ہے نوح پر دنیا والوں میں۔ ۶۶ ؎

۴۶۔ پھر وہ جنتی شخص اہلِ مجلس سے مخاطب ہو کر کہے گا کہ کیا یہ واقعہ نہیں ہے؟ کہ جنت میں ہمیں ابدی زندگی عطاء ہوئی ہے اور موت سے کبھی سابقہ پیش آنے والا نہیں۔ اس طرح سوال کے انداز میں وہ اپنے یقین کا اظہار کرے گا۔

۴۷۔ یعنی دنیا میں جو موت ہمیں آئی وہ آخری تھی۔

۴۸۔ جنت اللہ تعالیٰ کا ابدی انعام ہوگا اس لئے عذاب اور تکلیف کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

۴۹۔ یعنی ایسی کامیابی کہ اس سے بڑھ کر کسی کامیابی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

۵۰۔ اس جنتی شخص کا بیان اوپر ختم ہوا۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو ترغیب ہے کہ وہ اسی کامیابی کے حصول کیلئے کوشش کریں جو انہیں جنت کی طرف لے جانے والے ہوں۔

۵۱۔ زقوم ایک نہایت کڑوے کسیلے درخت کا نام ہے۔ جو عرب میں تہامہ کے علاقہ میں پایا جاتا تھا۔ جہنم میں جو نہایت تلخ اور زہریلا پھل کھانے کو ملے گا اس کا کچھ اندازہ زقوم کے درخت سے ہو سکتا ہے۔

۵۲۔ یعنی زقوم کا درخت ظالموں کیلئے وجہ آزمائش ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ وہ اس دردناک سزا کے تصور ہی سے کانپ اٹھیں، لیکن وہ مذاق اڑائیں گے کہ خوب ہے آگ میں درخت اگتا ہے!

۵۳۔ اللہ کی قدرت سے یہ ہرگز بعید نہیں کہ وہ جہنم میں درخت پیدا کردے۔ اور اس بارے میں جو وضاحت ان آیتوں میں کی گئی ہے اس سے یقین اور پختہ ہو جاتا ہے۔ جو درخت جہنم کی تہ سے نکلتا ہو وہ کس غضب کا ہوگا اور کھانے والوں پر کیا آفت لائے گا!

۵۴۔ شیطان کو اگرچہ انسانوں نے نہیں دیکھا مگر اس کا بھیانک تصور ذہنوں میں موجود ہے۔ اسی لحاظ سے زقوم کے خوشوں کو شیطانوں کے سروں سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی نہایت کریہہ منظر اور نفرت انگیز ہوں گے۔

۵۵۔ دوزخ والے جب بھوک سے بے تاب ہوں گے تو انہیں اپنا پیٹ زقوم کے کڑوے کسیلے پھلوں سے بھرنا ہوگا۔ یہ درحقیقت ان کے بُرے اعمال کے پھل ہوں گے جو انہیں کھانے کیلئے ملیں گے۔

۵۶۔ زقوم کا پھل کھانے کے بعد پینے کیلئے ان کو گرم پانی ملے گا۔

۵۷۔ جہنم نہایت وسیع ہوگی اور اس کے مختلف حصے مختلف سزاؤں کے لئے مخصوص ہوں گے۔ مجرموں کو جہنم ہی کے ایک حصہ میں کھانے کیلئے زقوم اور پینے کیلئے گرم پانی ملے گا اس کے بعد جہنم کے اس طبقہ میں جہاں شدت سے آگ بھڑک رہی ہوگی اور جس کا نام جحیم ہے انہیں واپس لوٹنا ہوگا۔

۵۸۔ یہ بات مشرکین مکہ کے بارے میں کہی جارہی ہے۔ یعنی باوجود اس کے کہ ان کے باپ دادا گمراہ تھے، ان کی تقلید کا جنون ان پر ایسا سوار ہے کہ ان کے نقشِ قدم پر تیزی کے ساتھ چلے جارہے ہیں۔ آبائی مذہب کی تقلید کا جنون ایسا ہوتا ہے کہ آدمی بصیرت سے کام نہیں لیتا۔

۵۹۔ لوگوں کی گمراہی کی بنیادی وجہ یہی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ جو مذہب اور کلچر قدیم سے چلا آرہا ہے وہ بالکل صحیح ہے اور اسی سے وابستہ رہنا چاہئے۔ اسی بنیاد پر مذہبی فرقے وجود میں آگئے ہیں۔ حالانکہ ماضی میں بھی انسانوں کی بڑی تعداد گمراہ رہی ہے۔ نہ اُن کے پاس حق کی حجت تھی اور نہ اِن کے پاس ہے۔ حق کی روشنی تو دلیل اور حجت کے ذریعے حاصل ہوتی ہے نہ کہ اندھی تقلید کے ذریعہ۔

۶۰۔ تشریح کیلئے دیکھئے نوٹ ۳۴۔

۶۱۔ نوح علیہ السلام کی سرگزشت کا وہ حصہ یہاں پیش کیا گیا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں اس اذیت سے نجات دی

جوان کی قوم انہیں حق کی مخالفت میں پہنچا رہی تھی۔ اور اس عذاب سے بھی کس طرح بچا لیا جوان کی قوم پر بالآخر آیا۔ نیز ان کو کس طرح اللہ تعالیٰ نے انعامات سے نوازا۔

حضرت نوح کے سلسلہ کی تفصیلات کیلئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۹۵۔

۶۲۔ اشارہ ہے اس دعا کی طرف جو نوح علیہ السلام نے اپنی قوم میں ایک طویل عرصہ گذارنے اور ان پر حجت تمام کرنے کے بعد کی تھی جس کا ذکر سورۂ قمر آیت ۱۰ میں ہوا ہے۔ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور جس طرح قبول فرمائی وہ اس بات کی واضح مثال ہے کہ اس کے مخلص بندے جب اس کو پکارتے ہیں تو وہ نہ صرف ان کی پکار کو سنتا ہے بلکہ بہترین طریقہ پر اس کا جواب دیتا ہے۔ اس میں راہِ حق کے مصیبت زدگان کیلئے تسلی کا پورا سامان موجود ہے۔

۶۳۔ 'اس کے اہل' (متعلقین) سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت نوح پر ایمان لائے تھے اور 'کربِ عظیم' سے مراد وہ سخت تکلیفیں ہیں جو کافر قوم کی طرف سے انہیں پہنچ رہی تھیں نیز وہ طوفان بھی جو اس قوم پر آیا۔

۶۴۔ طوفان نے ساری انسانیت کا خاتمہ کر دیا تھا اور صرف وہی لوگ بچا لئے گئے تھے جو حضرت نوح کے ساتھ کشتی میں سوار تھے اور ایمان لا چکے تھے۔ ان میں بیشتر ان کے گھر کے افراد ہی تھے اور بعد میں حضرت نوح ہی کی اولاد سے جو بچا لئے گئے تھے نسل انسانی کا سلسلہ چلا اور قومیں وجود میں آئیں۔ بائبل کی رو سے حضرت نوح کے تین بیٹوں سام، حام اور یافث سے نسلِ انسانی کا سلسلہ چلا۔ سام سے عرب، روم وغیرہ سیمیٹک (Sametic) قومیں وجود میں آئیں، حام سے حبشی، مصری وغیرہ اور یافث سے ترک مغل اور یاجوج ماجوج وغیرہ۔ واللہ اعلم

۶۵۔ نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں جو صلہ ملا وہ ایک تو وہ ہے جس کا ذکر اس سے پہلے کی آیت میں ہوا۔ یعنی ان ہی کی اولاد سے نسل انسانی کا سلسلہ چلا اور دوسرا صلہ یہ کہ بعد کے لوگوں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھا گیا۔ خاص طور سے قرآن پر ایمان لانے والے نہ صرف اچھے کلمات کے ساتھ ان کو یاد کرتے ہیں بلکہ قرآن میں متعدد مقامات پر جس شان سے ان کا ذکر ہوا ہے وہ بار بار ان کی زبان پر آتا رہتا ہے اور وہ ان سے عقیدت و محبت کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔

۶۶۔ یہ تیسرا صلہ ہے جو ان کو دنیا میں ملا کہ وہ سلامتی سے نوازے گئے۔ ان کے دشمن ان کا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ دنیا کی بڑی بڑی ملتیں یہود، نصاریٰ اور مسلمان ان کا احترام کرتے ہیں اور اہل ایمان کے دل سے ان کیلئے دعائیں نکلتی ہیں اور ان پر وہ سلام بھیجتے ہیں سلامٌ علیٰ نوحٍ۔

کیا اللہ کو چھوڑ کر من گھڑت معبود
چاہتے ہو؟ (القرآن)

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٠﴾	۸۰ ہم نیکو کاروں کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں۔۶۷؎
إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿٨١﴾	۸۱ بے شک وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھا۔
ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ﴿٨٢﴾	۸۲ پھر دوسروں کو ہم نے غرق کر دیا۔۶۸؎
وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ﴿٨٣﴾	۸۳ اور اسی کی جماعت میں سے ابراہیم تھا۔۶۹؎
إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٤﴾	۸۴ جب کہ وہ اپنے رب کے حضور قلب سلیم لے کر آیا۔۷۰؎
إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ﴿٨٥﴾	۸۵ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ تم کس چیز کی پرستش کرتے ہو؟۷۱؎
أَئِفْكًا آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ﴿٨٦﴾	۸۶ کیا اللہ کو چھوڑ کر من گھڑت معبود چاہتے ہو؟ ۷۲؎
فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٨٧﴾	۸۷ اور رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے؟۷۳؎
فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ﴿٨٨﴾	۸۸ پھر اس نے ایک نظر تاروں پر ڈالی۔۷۴؎
فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ﴿٨٩﴾	۸۹ اور کہا میری طبیعت ناساز ہے۔۷۵؎
فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿٩٠﴾	۹۰ تو وہ لوگ اس کو چھوڑ کر چلے گئے۔
فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٩١﴾	۹۱ پھر وہ چپکے سے ان کے معبودوں کے پاس گیا اور کہا تم لوگ کھاتے نہیں!۷۶؎
مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ﴿٩٢﴾	۹۲ کیا بات ہے بولتے بھی نہیں!۷۷؎
فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ﴿٩٣﴾	۹۳ پھر ان پر ٹوٹ پڑا اور سیدھے ہاتھ سے ان پر ضربیں لگائیں۔۷۸؎
فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزِفُّونَ ﴿٩٤﴾	۹۴ لوگ اس کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔۷۹؎
قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ﴿٩٥﴾	۹۵ اس نے کہا کیا تم لوگ اپنی ہی تراشی ہوئی چیزوں کو پوجتے ہو!۸۰؎
وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾	۹۶ حالانکہ اللہ ہی نے پیدا کیا ہے تم کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جن کو تم بناتے ہو۔۸۱؎
قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ﴿٩٧﴾	۹۷ انہوں نے (آپس میں) کہا اس کیلئے ایک آتش کدہ بناؤ اور اس کو دہکتی آگ میں جھونک دو۔۸۲؎
فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ﴿٩٨﴾	۹۸ انہوں نے اس کے ساتھ ایک چال چلنی چاہی مگر ہم نے ان ہی کو نیچا دکھایا۔۸۳؎
وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿٩٩﴾	۹۹ اور اس نے کہا میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں وہ میری رہنمائی کرے گا۔۸۴؎

۶۷ ۔ یعنی جولوگ نیک عمل ہوتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ ان کے عمل کی اعتبار سے دنیا میں بھی اچھا صلہ دیتا ہے۔

۶۸ ۔ یعنی جنہوں نے کفر کیا تھا ان سب کو غرق کردیا۔

تشریح کیلئے ملاحظہ ہو سورۂ اعراف نوٹ ۱۰۳ ۔

۶۹ ۔ یعنی ابراہیم نوح ہی کے دین وملت سے تعلق رکھتے تھے۔ جو دین نوح کا تھا وہی ابراہیم کا تھا اور اسی گروہ کے فرد تھے جو نوح کا پیرو کار تھا۔

۷۰ ۔ یعنی ابراہیم نے اپنے آپ کو اللہ کے سامنے اس طرح پیش کردیا کہ ان کا دل شرک اور گناہ کی آلائشوں سے پاک تھا۔ فطرت نے جو صحتمند دل عطا کیا تھا اس کی صحت کو انہوں نے برقرار رکھا اور ہوش سنبھالتے ہی انہوں نے اپنے رب کی بندگی اختیار کی۔

۷۱ ۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ابراہیم علیہ السلام نبوت سے سرفراز کئے گئے تھے۔ ان کے باپ آزر بت پرست تھے اور ان کی قوم بھی بت پرست تھی اور بت پرستی بدترین شرک، کھلی گمراہی اور سنگین جرم ہے۔ اس لئے انہوں نے اپنی دعوت کا آغاز اس طرح کیا کہ بت پرستی پر ضرب کاری لگائی۔ انہوں نے ان کو دعوتِ فکر دی کہ جن چیزوں کو تم پوجتے ہو کیا وہ واقعی پوجنے کے قابل اور پرستش کے مستحق ہیں؟

۷۲ ۔ اللہ ہی ایک حقیقی معبود ہے۔ اس کے سوا جس کو بھی معبود بنالیا جائے وہ خلافِ واقعہ اور من گھڑت معبود ہی ہوگا۔

۷۳ ۔ متعدد خداؤں کا عقیدہ، آدمی اس گمان کی بنا پر اختیار کرلیتا ہے، کہ ربِّ کائنات نہ تو براہِ راست دعاؤں کو سنتا اور فریاد رسی کرتا ہے اور نہ کائنات کا سارا انتظام وہ اکیلا کررہا ہے اور نہ ہی وہ تنہا پرستش کا مستحق ہے۔ بلکہ خدائی کو اس نے بانٹ رکھا ہے اور اس بنا پر دوسرے بھی پرستش کے مستحق ہیں۔ یہ رب العالمین کے ساتھ سراسر بدگمانی ہے اور جو شرک اور بت پرستی اختیار کرتا ہے وہ لازماً رب العالمین کی ناقدری کرتا ہے اور اس سے بدگمان ہوتا ہے۔ یہی احساس دلانے کیلئے ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستوں سے سوال کیا کہ بتاؤ آخر تمہارا رب العالمین کے بارے میں کیا گمان ہے؟

۷۴ ۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ لوگ غالباً کسی میلے میں شرکت کی غرض سے شہر کے باہر جارہے تھے۔ رات ہوگئی اور تارے نمودار ہوگئے تھے۔ انہوں نے ابراہیم (علیہ السلام) کو بھی ساتھ چلنے کیلئے کہا۔ حضرت ابراہیم نے دیکھا کہ ان ستارہ پرستوں کو جنہوں نے ستاروں کو خدا مان کر ان کے بت بنالئے ہیں سبق دینے کا اچھا موقع ہے۔ انہوں نے اول تو ستاروں پر ایک فکر انگیز نگاہ ڈالی کہ یہ ہیں ان کے خدا جن کی نمائندگی ان کے تراشے ہوئے بت کرتے ہیں! ان میں خدائی کی کون سی صفت ہے؟ تعجب ہے ان لوگوں کی عقل پر! اس کے بعد انہوں نے ساتھ چلنے کے سلسلے میں عذر پیش کردیا جس کا ذکر آگے ہوا ہے۔

۷۵ ۔ یہ عذر حضرت ابراہیم نے اس لئے بھی پیش کردیا تھا کہ واقعی ان کی طبیعت ناساز تھی۔ اور رات کے وقت باہر جانے میں ان کو تکلیف ہوسکتی تھی۔ اور اس لئے بھی کہ وہ لوگوں کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر بتوں کے خلاف کاروائی کرنا چاہتے تھے۔ یہ کاروائی خاموشی کے ساتھ اکیلے ہی میں کی جاسکتی تھی اس لئے انہوں نے اپنا اصل عندیہ ظاہر کئے بغیر ناسازی طبع کا عذر پیش کرنے پر اکتفاء کیا۔ مگر مفسرین کی ایک تعداد نے اس عذر کو غیر واقعی سمجھ کر اس کی عجیب وغریب تاویلیں کی ہیں۔ وہ تائید میں ایک حدیث پیش کرتے ہیں جس میں بیان ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم نے تین موقعوں پر غلط بیانی سے کام لیا تھا جن میں سے ایک یہ موقع ہے جب انہوں نے کہا اِنِّی سَقِیم (میری طبیعت ناساز ہے) (بخاری کتاب الانبیاء)۔

اس حدیث پر ہم تفصیلی گفتگو سورۂ انبیاء کی تشریح نوٹ ۸۰ ۔ میں کرچکے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کو بوجوہ صحیح حدیث تسلیم نہیں کیا جاسکتا اور کوئی وجہ نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی ناسازی طبع کے عذر کو جھوٹ پر محمول کیا جائے۔ ایسی بات تو اسی صورت میں کہی جاسکتی ہے جب کہ یہ ثابت ہوجائے کہ ان کی طبیعت اس وقت ناساز نہیں تھی۔ اور جب کہ یہ ثابت نہیں ہے تو ان کے اس بیان کو جو قرآن میں نقل ہوا ہے مطابقِ واقعہ ہی سمجھنا ہوگا۔

۷۶۔ لوگوں کے شہر سے باہر چلے جانے کے بعد ابراہیم علیہ السلام کو مندر میں داخل ہو کر بتوں کے خلاف کاروائی کرنے کا موقع ملا۔ وہ جب مندر میں داخل ہوئے تو بتوں کے سامنے کھانا رکھا ہوا دیکھا۔ انہوں نے بتوں سے مخاطب ہو کر کہا تم لوگ کھاتے کیوں نہیں؟ یہ دراصل طنز تھا ان کے پرستاروں پر جو اپنے معبودوں کے سامنے کھانا پیش کرنے کی حماقت کرتے ہیں۔

۷۷۔ یہ دوسرا طنز تھا ان کے پرستاروں پر کہ جو بول نہیں سکتے ان کو یہ لوگ خدا بنا بیٹھے ہیں!

۷۸۔ سیدھا ہاتھ زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم نے پوری طاقت سے بتوں پر ضربیں لگائیں اور ان کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ یہ قصہ تفصیل سے سورۂ انبیاء میں گذر چکا ہے۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ انبیاء نوٹ ۷۶۔

۷۹۔ یعنی جب لوگ میلے سے لوٹے تو دیکھا بتوں کی یہ درگت بنی ہوئی ہے اور چونکہ ابراہیم علیہ السلام پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ میں تمہارے بتوں کے خلاف کاروائی کروں گا جیسا کہ سورۂ انبیاء آیت ۵۷ میں بیان ہوا ہے اس لئے لوگ دوڑتے ہوئے ان کے پاس یہ معلوم کرنے کیلئے پہنچ گئے کہ کیا واقعی انہوں نے ہی یہ حرکت کی ہے۔

۸۰۔ حضرت ابراہیم نے ان کو جو جواب دیا وہ سورۂ انبیاء میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ ان آیتوں میں ان کے جواب کا ایک حصہ پیش کیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم نے بتوں کی بے حقیقی کو واضح کرنے کیلئے یہ سوال قائم کیا کہ اپنے ہی ہاتھوں کی تراشی ہوئی چیزوں کو پوجنے کا کیا مطلب؟ ان بتوں میں سے کوئی بھی خالق نہیں ہے کیونکہ ان کو خود تم نے تراشا ہے پھر وہ خدا اور لائق پرستش کس طرح قرار پائے؟

۸۱۔ یعنی خالق تو اللہ ہی ہے۔ تمہارا بھی اور اس مٹی، پتھر، لکڑی کا بھی جس سے تم بت بناتے ہو۔ اس لئے اللہ کا معبود حقیقی ہونا بالکل واضح حقیقت ہے اور اپنے ہی تراشیدہ بتوں کو معبود بنانا واضح حماقت ہے۔

۸۲۔ ان کے پاس حضرت ابراہیم کے ان سوالوں کا جو دلیل اور حجت کی حیثیت رکھتے تھے کوئی جواب نہ تھا اور مذہبی تعصب کی بناء پر قبولِ حق کیلئے بھی آمادہ نہیں تھے اس لئے انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو نذرِ آتش کرنے کا فیصلہ کیا۔

آتش کدہ بنانے کی مصلحت یہ رہی ہوگی کہ دیواروں کے اندر آگ تیز بھڑکائی جاسکتی ہے اس کے اندر سے انہیں بھاگنے کا موقع بھی نہیں مل سکے گا اور ان کے خاندان والوں کی نگاہوں سے چھپا کر انہیں لانا اور اس آگ میں جھونکنا آسان ہوگا۔

۸۳۔ انہوں نے حضرت ابراہیم کو نذرِ آتش کرنے کی سازش کی تھی مگر جیسا کہ سورۂ انبیاء آیت ۶۹ میں بیان ہوا اللہ تعالیٰ نے آگ کو ابراہیم کیلئے ٹھنڈا کر دیا اور وہ صحیح وسلامت رہے۔ اس طرح ان کے دشمنوں کو منہ کی کھانا پڑی اور وہ پست ہو کر رہ گئے۔

۸۴۔ چونکہ قوم پر اللہ کی حجت پوری طرح قائم ہو چکی تھی اور قوم ان کی جان کے درپے ہو گئی تھی اس لئے حضرت ابراہیم نے ہجرت کا فیصلہ کیا اس ہجرت کی تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ عنکبوت نوٹ ۴۸۔

اور جب وہ لڑکا اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا، تو اس نے کہا اے میرے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ تو تمہاری کیا رائے ہے۔ اس نے کہا ابا جان! کر گزریئے جس کا حکم آپ کو دیا جا رہا ہے۔ آپ انشاء اللہ مجھے صابر پائیں گے۔ (القرآن)

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰ اے میرے رب مجھے صالح اولاد عطاء فرما۔۸۵؎

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱ تو ہم نے اس کو ایک بردبار لڑکے کی بشارت دی۔۸۶؎

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ
اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ
سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲ اور جب وہ لڑکا اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا۸۷؎، تو اس نے کہا اے میرے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں ۸۸؎۔ تو تمہاری کیا رائے ہے ۸۹؎۔ اس نے کہا ابا جان! کر گزریئے جس کا حکم آپ کو دیا جا رہا ہے۔ آپ انشاء اللہ مجھے صابر پائیں گے۔۹۰؎

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳ پھر جب دونوں نے اپنے آپ کو (اپنے رب کے) حوالہ کر دیا ۹۱؎ اور ابراہیم نے اس کو پیشانی کے بل گرا دیا۔۹۲؎

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴ تو ہم نے اس کو آواز دی اے ابراہیم!۹۳؎

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵ تم نے خواب سچ کر دکھایا ۹۴؎۔ ہم نیکو کاروں کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں۔۹۵؎

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰۗـؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶ بے شک یہ ایک کھلی آزمائش تھی۔ ۹۶؎

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷ اور ہم نے اس (لڑکے) کی جان بچالی ایک عظیم قربانی کے عوض۔۹۷؎

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸ اور ہم نے بعد والوں میں اس کا ذکرِ جمیل باقی رکھا۔

سَلٰمٌ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹ سلام ہے ابراہیم پر۔

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰ اسی طرح ہم نیکو کاروں کو جزا دیتے ہیں۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱ یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

۱۱۲ اور ہم نے اس کو اسحاق کی خوشخبری دی۔ ایک نبی ہوگا صالحین میں سے۔۹۸؎

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓي اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ
لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾

۱۱۳ اور ہم نے اس پر اور اسحاق پر برکتیں نازل کیں ۹۹؎۔ اور ان دونوں کی نسل میں سے نیکو کار بھی ہیں اور اپنی جانوں پر صریح ظلم کرنے والے بھی۔۱۰۰؎

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰي مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

۱۱۴ اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر فضل کیا۔

۸۵۔ حضرت ابراہیم عراق سے ہجرت کر کے (فلسطین) پہنچ گئے تھے۔ وہاں انہوں نے صالح اولاد کیلئے دعا کی تا کہ وہ ان کی قوتِ بازو بنے اور دین کی روشنی ان کے ذریعے پھیلے۔

صالح اولاد اللہ کی بڑی نعمت ہے اور دعا جب اولاد کیلئے کی جائے تو صالح اولاد ہی کیلئے کرنا چاہئے ۔

۸۶۔ یعنی اسمٰعیل کی جو (ابراہیم علیہ السلام) کے پہلے بیٹے تھے، حلیم (بردبار) ہونے کا وصف ان میں بدرجہ اتم موجود تھا، جس کا ثبوت ان کی بے مثال قربانی ہے۔

۸۷۔ یعنی ابراہیم کیلئے سہارا بن گیا کہ ان کے ساتھ چل سکے اور ان کے کام میں ہاتھ بٹا سکے۔

۸۸۔ یعنی اللہ کیلئے تمہیں قربان کر رہا ہوں۔ یہ خواب ایک نبی کا تھا جس میں اللہ کی طرف سے غیبی اشارات ہوتے ہیں اور جو شیطانی وساوس کی آمیزش سے بالکل پاک ہوتا ہے اس لئے حضرت ابراہیم نے اس کو اللہ کی طرف سے اشارہ سمجھا۔

واضح رہے کہ کسی شخص کیلئے خواب کی بنیاد پر کوئی ایسا اقدام کرنا روا نہیں ہے جس کی شریعت اجازت نہ دیتی ہو۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کو چونکہ عصمت حاصل ہوتی ہے اس لئے ان کے خواب بھی سچے ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ خاص بات یہ بھی ہوتی ہے کہ اگر بالفرض کوئی نبی خواب کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بروقت اس کی اصلاح فرماتا ہے۔

۸۹۔ حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے سے رائے اس لئے پوچھی کہ ذبح اسی کو کرنا تھا نیز اس لئے بھی کہ اس کے صبر و تحمل کا اندازہ ہو جائے۔

۹۰۔ یہ تھا بیٹے کا جواب، جس کا ایک ایک لفظ ایمان و یقین، خلوص و للّٰہیت، صبر و تحمل، عزم و حوصلہ اور فدویت و قربانی کے جذبات سے پر تھا۔ اس عزم صمیم کے باوجود انشاء اللہ (اگر اللہ نے چاہا تو) کہنا توکل کی اعلیٰ مثال ہے۔

بیٹے کے اس جواب سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت وہ نہ صرف سن تمیز کو پہنچ گیا تھا بلکہ اس میں سوجھ بوجھ بھی پیدا ہو گئی تھی۔

۹۱۔ اَسْلَمَا یعنی دونوں نے اپنے آپ کو اپنے رب کے حوالے کر دیا اور بلا چوں و چرا حکمِ الٰہی کی تعمیل کے لئے آمادہ ہو گئے۔ واضح ہوا کہ اسلام کی حقیقت کسی تحفظ کے بغیر اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ کر دینا ہے یہاں تک کہ اگر جان قربان کر دینے کا حکم ہو تو اس کی تعمیل سے بھی بندہ دریغ نہ کرے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل (علیہما السلام) نے ایک ایسے حکم کی تعمیل کر کے جس میں ان کا زبردست امتحان تھا، اسلام کی بلند ترین چوٹی پر پہنچ گئے تھے۔

۹۲۔ یعنی اسمٰعیل کو ذبح کرنے کیلئے پیشانی کے بل لٹا دیا۔ ممکن ہے اس کی مصلحت یہ رہی ہو کہ ذبح کرتے وقت چہرہ سامنے نہ رہے۔

۹۳۔ یعنی ابھی چھری چلانے کی نوبت بھی نہیں آئی تھی کہ اللہ نے ابراہیم کو پکارا اور ذبح کرنے سے روک دیا۔

۹۴۔ حضرت ابراہیم نے خواب میں بیٹے کو ذبح کرتے دیکھا تھا اور اس اشارۂ الٰہی کی تعمیل میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، بلکہ ذبح کرنے کا پورا پورا اہتمام کیا۔ اس طرح انہوں نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا تھا۔ اب جب کہ گلے پر چھری چلائی جانے والی تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں روک دیا۔ کیونکہ مقصود اسمٰعیل کا خون بہانا نہیں تھا بلکہ یہ دیکھنا تھا کہ اس کڑی آزمائش میں باپ بیٹے پورے اترتے ہیں یا نہیں۔ اور جب وہ پورے اترے تو اللہ نے ذبح کرنے سے پہلے ہی قربانی قبول کر لی۔ لہٰذا چھری چلانے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ یہ اللہ کی رحمت تھی اور اس کی طرف سے قدردانی بھی۔

۹۵۔ یعنی جو لوگ نیکی کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ آزمائشوں سے بہ سلامت گزارتا ہے اور عزت و اکرام سے نوازتا ہے۔

۹۶۔ یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک بہت بڑی آزمائش تھی۔ابراہیم کی آزمائش اس بات میں کہ وہ اپنے پیارے اور اکلوتے بیٹے کو قربان کرنے کیلئے تیار ہوتے ہیں یا نہیں۔اور اسمٰعیل کی آزمائش اس بات میں کہ وہ قربان ہونے کیلئے آمادہ ہوتے ہیں یا نہیں۔

۹۷۔ یعنی اللہ نے اس کی جان کے فدیہ میں ایک مینڈھا پیش کر دیا کہ اس کو ذبح کر کے اس قربانی کی عظیم یادگار قائم کی جائے۔چنانچہ حج کے مناسک میں سے ایک اہم منسک قربانی ہے، جو اونٹ، گائے، بیل، بکری، مینڈھے اور دنبہ میں سے کسی جانور کی، کی جاتی ہے نیز عیدالاضحیٰ کے موقع پر دنیا بھر میں مسلمان قربانی کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے کی جان کے فدیہ میں اللہ کے حکم سے ایک مینڈھا (کبش) ذبح کیا تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے عظیم قربانی کے طور پر قبول فرمایا۔اور یہ قربانی اس لحاظ سے بھی عظیم قرار پائی کہ اس سنتِ ابراہیمی کو عظیم یادگار کے طور پر جاری کر دیا گیا۔بائبل کی کتاب پیدائش باب ۲۲ میں مینڈھے کی قربانی کا ذکر ہے۔

قربانی کا یہ واقعہ مکہ میں مروہ پہاڑی پر پیش آیا تھا، جو خانہ کعبہ کے پاس واقع ہے اور جس کی سعی کی جاتی ہے دلائل مختصراً درج ذیل ہیں۔

۱) یہ ایک بے مثال قربانی تھی جس کے لئے موزوں ترین مقام یا تو بیت المقدس ہوسکتا تھا یا مکہ۔جہاں تک بیت المقدس کا تعلق ہے اس کی تعمیر حضرت ابراہیم کے بہت بعد حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے زمانہ میں ہوئی، البتہ مکہ میں بیت اللہ کی تعمیر حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل (علیہما السلام) کے ہاتھوں ہوئی اس لئے یہ مقدس سرزمین ہی اس قربانی کیلئے موزوں ترین جگہ تھی۔

۲) قربانی کا اصل محل بیت اللہ ہے (ثُمَّ مَحِلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ سورۂ حج: ۳۲) اس لئے اس کے جوار میں قربانی ٹھیک اس کے محل میں قربانی ہے۔

۳) بائبل میں ہے کہ حضرت ابراہیم کو 'موریاہ' کے ملک میں جا کر ایک پہاڑی پر قربانی کرنے کا حکم ہوا تھا (دیکھئے پیدائش باب ۲۲) یہ 'موریاہ' کا ملک کون سا ہے اس کی نشاندہی بائبل والے نہیں کر سکے ہیں چنانچہ بائبل کا شارع لکھتا ہے۔

"The land of Moriah cannot be identified." (The Interpreter's one volume Commentary of the Bible p.18)

'موریاہ' دراصل مروہ کی تحریف ہے اور مروہ پہاڑی مکہ میں بیت اللہ کے پاس واقع ہے جو شعائر اللہ میں سے ہے۔اس پہاڑی پر حضرت اسمٰعیل کی قربانی کا واقعہ پیش آیا تھا۔حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے مروہ کے بارے میں فرمایا۔

هٰذَا الْمَنْحَرُ وَ كُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ وَ طُرُقِهَا مَنْحَرٌ۔ (موطا کتاب الحج)

''یہ قربان گاہ ہے اور مکہ کے تمام چھوٹے اور بڑے راستے قربانی کی جگہیں ہیں۔''

حدیث میں منیٰ کو جو منحر (قربانی کی جگہ) قرار دیا گیا ہے وہ شرعی مصالح کے پیشِ نظر ہے۔اول تو منیٰ مکہ سے متصل واقع ہے۔دوسرے حج کے موقعہ پر بڑی تعداد میں جانور ذبح کرنے کیلئے جگہ کا کشادہ ہونا ضروری تھا اس لئے منیٰ میں قربانی کرنا مشروع ہوا؟

۹۸۔ یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ حضرت ابراہیم کو اسحاق کی خوشخبری پہلے بیٹے کی پیدائش اور اس کی قربانی کے واقعہ کے بعد دی گئی تھی۔اس لئے جس لڑکے کی قربانی دی گئی تھی وہ حضرت اسمٰعیل ہی ہیں۔لیکن بائبل میں حضرت اسحاق کو ذبیح قرار دیا گیا ہے جو یہود کی تحریف ہے۔حضرت اسمٰعیل کے ذبیح ہونے کی تائید میں وہ دلائل بھی ہیں جو ہم نے اوپر نوٹ ۹۷۔ میں پیش کئے اور مزید یہ کہ:

۱) بائبل میں ہے کہ وہ حضرت ابراہیم کا اکلوتا بیٹا تھا (پیدائش باب ۲۲) اور کتاب پیدائش باب ۱۶ میں بیان ہوا ہے کہ حضرت سارہ کے کوئی اولاد نہیں تھی اور حضرت ہاجرہ سے اسمٰعیل پیدا ہوئے تھے:۔

''اور ابرام سے ہاجرہ کے ایک بیٹا ہوا اور ابرام نے اپنے اس بیٹے کا نام جو ہاجرہ سے پیدا ہوا اسمٰعیل رکھا۔ اور جب ابرام سے ہاجرہ کے اسمٰعیل پیدا ہوا تب ابرام چھیاسی برس کا تھا۔'' (پیدائش ۱۶: ۱۵۔ ۱۶)

اور یہ بات بائبل ہی سے ثابت ہے کہ حضرت اسمٰعیل حضرت اسحاق سے ۱۴ رسال بڑے تھے (پیدائش باب ۱۷) اس لئے اکلوتے بیٹے اسمٰعیل ہی ہو سکتے ہیں۔ مگر یہود نے محض تعصب میں اسمٰعیل کی جگہ اسحاق درج کر دیا۔ یہ ان کی صریح تحریف ہے۔

۲) بائبل میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو اسحاق کی ولادت کی خوشخبری دی تو فرمایا:

''تب خدا نے فرمایا کہ بے شک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا تو اس کا نام اضحاق رکھنا اور میں اس سے اور پھر اس کی اولاد سے اپنا عہد جو ابدی عہد ہے باندھونگا۔'' (پیدائش ۱۷: ۱۹)

یعنی اسحاق کی پیدائش کی خوشخبری کے ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی دی گئی تھی کہ اس کے اولاد ہوگی۔ پھر اسحاق کی اولاد ہونے سے پہلے ان کو ذبح کرنے کا حکم کس طرح دیا جا سکتا تھا؟ قرآن میں بھی بیان ہوا ہے کہ جب حضرت ابراہیم کی بیوی کو اسحاق کی ولادت کی بشارت دی گئی تو ان سے یعقوب کے پیدا ہونے کی بھی بشارت دی گئی تھی۔

فَبَشَّرۡنٰهَا بِاِسۡحٰقَ وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ يَعۡقُوۡبَ (ھود: ۷۱)

''ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔''

۳) اگر اسحاق ذبیح ہوتے تو بنی اسرائیل میں یہ قربانی ایک شعار کی حیثیت سے باقی رکھی جاتی، لیکن ان میں اس قربانی کا شعار کی حیثیت سے باقی نہ رہنا اور عید فسح کی قربانی جس کا تعلق مصر سے ان کے خروج سے ہے، رائج ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ذبیح اسحاق نہیں بلکہ اسمٰعیل تھے کیونکہ حج میں اس قربانی کو شعار کے طور پر باقی رکھا گیا ہے نیز عید الاضحیٰ میں بھی۔

۴) حضرت اسمٰعیل کے دو وصف قرآن میں ایسے بیان ہوئے ہیں جو ان کے ذبیح ہونے سے بڑی مناسبت رکھتے ہیں۔ ایک ان کا **حلیم** (بردبار) ہونا (آیت ۱۰۱) اور دوسرا ان کا **صادق الوعد** (وعدہ کا سچا) ہونا (سورۂ مریم آیت ۵۴) جب کہ حضرت اسحاق کی صفت **علیم** (علم والا) بیان ہوئی ہے۔ (حجر۔ ۵۳)

مفسرین نے حضرت اسحاق کے ذبیح ہونے کی تائید میں جو روایتیں نقل کی ہیں وہ معلوم ہوتا ہے اہل کتاب کی باتوں پر اعتماد کرتے ہوئے بیان کی گئی ہیں۔ مگر جیسا کہ بہ دلائل اوپر واضح کیا گیا اس کی تائید قرآن سے نہیں ہوتی۔

۹۹۔ یعنی اسمٰعیل اور اسحاق دونوں پر برکتیں نازل کیں۔ چنانچہ ان دونوں شاخوں سے دو ایسی نسلوں کا سلسلہ چلا جو تاریخ میں ممتاز مقام رکھتی ہیں۔ حضرت اسمٰعیل سے بنی اسمٰعیل (عرب) کا سلسلہ اور حضرت اسحاق سے بنی اسرائیل کا سلسلہ۔

۱۰۰۔ یعنی بنی اسمٰعیل ہوں یا بنی اسرائیل دونوں میں اچھے اور برے لوگ موجود ہیں۔ ایسے بھی جنہوں نے نیکی کو اختیار کر رکھا ہے اور ایسے بھی جو شرک، کفر اور سرکشی کر کے اپنے آپ پر ظلم ڈھا رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں نسلیں اس لحاظ سے ممتاز ضرور ہیں کہ ان کا سلسلہ دو عظیم شخصیتوں سے چلتا ہے۔ لیکن اللہ کی میزان میں جو چیز وزن رکھتی ہے وہ ہر ایک کا اپنا نیک عمل ہے نہ کہ نسبی شرف۔

وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۚ﴿۱۱۵﴾	۱۱۵ ان کو اور ان کی قوم کو بہت بڑی مصیبت سے نجات دی۔۱۰۱؎
وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۚ﴿۱۱۶﴾	۱۱۶ اور ان کی مدد کی تو وہی غالب رہے۔۱۰۲؎
وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۚ﴿۱۱۷﴾	۱۱۷ ان کو روشن کتاب عطا کی۔۱۰۳؎
وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۚ﴿۱۱۸﴾	۱۱۸ اور انہیں سیدھے راستہ کی ہدایت بخشی۔۱۰۴؎
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ۖ﴿۱۱۹﴾	۱۱۹ اور بعد والوں میں ان کا ذکرِ جمیل باقی رکھا۔۱۰۶؎
سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾	۱۲۰ سلام ہے موسیٰ اور ہارون پر۔۱۰۶؎
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾	۱۲۱ اسی طرح ہم نیکوکاروں کو جزا دیتے ہیں۔
اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾	۱۲۲ بے شک وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھے۔
وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ؕ﴿۱۲۳﴾	۱۲۳ اور یقیناً الیاس ۱۰۷؎ بھی پیغمبروں میں سے تھا۔
اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾	۱۲۴ جب اس نے اپنی قوم سے کہا تم لوگ (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو؟۱۰۸؎
اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخٰلِقِيْنَ ۙ﴿۱۲۵﴾	۱۲۵ کیا تم بعل ۱۰۹؎ کو پکارتے ہو اور بہترین خالق کو چھوڑ دیتے ہو!
اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾	۱۲۶ اللہ کو جو تمہارا رب بھی ہے اور تمہارے اگلے باپ دادا کا بھی۔۱۱۰؎
فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۙ﴿۱۲۷﴾	۱۲۷ مگر انہوں نے اسے جھٹلایا تو یقیناً انہیں گرفتار کر کے پیش کیا جائے گا۔۱۱۱؎
اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾	۱۲۸ البتہ اللہ کے خاص بندے اس سے محفوظ ہوں گے۔۱۱۲؎
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۙ﴿۱۲۹﴾	۱۲۹ اور بعد والوں میں ہم نے اس کا ذکرِ جمیل باقی رکھا۔۱۱۳؎
سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾	۱۳۰ سلام ہے اِلیاسین پر۔۱۱۴؎
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾	۱۳۱ ہم نیک عمل لوگوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔
اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾	۱۳۲ بے شک وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھا۔
وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ؕ﴿۱۳۳﴾	۱۳۳ اور لوط بھی رسولوں میں سے تھا۔۱۱۵؎
اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ۙ﴿۱۳۴﴾	۱۳۴ جب ہم نے اس کو اور اس کے تمام متعلقین کو نجات دی۔۱۱۶؎
اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۳۵﴾	۱۳۵ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی۔۱۱۷؎

۱۰۱۔ یعنی ان تکلیفوں سے جو فرعون انہیں پہنچا رہا تھا۔

۱۰۲۔ بنی اسرائیل مصر میں اگرچہ اقلیت میں تھے اور فرعون نے ان کو ظلم وستم کا نشانہ بنادیا تھا۔ لیکن چونکہ وہ اہل ایمان تھے اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی رہنمائی کو قبول کرلیا تھا، اس لئے اللہ کی نصرت ان کے ساتھ تھی اور بالآخر غلبہ ان ہی کو حاصل ہوا۔ فرعون اپنے لشکر سمیت ڈوب مرا اور بنی اسرائیل کو نجات حاصل ہوئی۔ اس طرح یہ مظلوم اقلیت پیغمبروں کا ساتھ دینے کی بنا پر فرعون کے مقابلہ میں بھاری ثابت ہوئی۔

۱۰۳۔ مراد تورات ہے جو ایک روشن کتاب تھی۔

۱۰۴۔ سیدھا راستہ اللہ کا دین یعنی اسلام ہے جس کی اولین خصوصیت توحید ہے۔

۱۰۵۔ یعنی موسیٰ اور ہارون کا۔ چنانچہ اہلِ ایمان ان سے عقیدت رکھتے ہیں اور ان کی تعریف وتوصیف کرتے ہیں۔ بخلاف اس کے فرعون پر ہر کوئی لعنت ہی بھیجتا ہے۔

۱۰۶۔ یعنی اللہ کی طرف سے موسیٰ اور ہارون کیلئے سلامتی ہے۔ اس میں اہلِ ایمان کیلئے ترغیب ہے کہ وہ ان پر سلام بھیجیں۔ سلامٌ علیٰ موسیٰ وہارون۔

۱۰۷۔ حضرت الیاس کا نام بائبل میں ایلیاہ (Elijah) ہے اور وہ بنی اسرائیل میں سے تھے۔ ان کا زمانہ نویں صدی قبل مسیح کا بتایا جاتا ہے۔ بائبل کی کتاب ۱۔سلاطین باب ۱۸ میں ان کا قصہ بیان ہوا ہے۔

۱۰۸۔ وہ کس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے اس کی صراحت قرآن نے نہیں کی۔ البتہ بائبل کے بیان کے مطابق وہ بنی اسرائیل ہی کے ایک گروہ کی طرف بھیجے گئے تھے جو بت پرستی میں مبتلا ہو گیا تھا۔

۱۰۹۔ 'بعل' کے معنی مالک اور سردار کے ہیں لیکن حضرت الیاس کی قوم نے جس بت کو معبود بنالیا تھا اس کا نام بعل بمعنی رب (Lord) تھا۔

۱۱۰۔ حضرت الیاس (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو بت پرستی سے نکالنے کی کوشش کی اور یہ واضح حجت پیش کی کہ، اللہ جو تم سب کا رب ہے اور بہترین خالق ہے اس کو چھوڑ کر اپنے ہی تراشے ہوئے بت کو معبود بنانے کے کیا معنی؟

۱۱۱۔ یعنی نبی کو جھٹلانے اور بت پرستی پر قائم رہنے کا لازمی انجام عذابِ آخرت ہے۔ قیامت کے دن ایسے لوگ گرفتار کر کے اللہ کے حضور سزا کیلئے پیش کئے جائیں گے۔

۱۱۲۔ یعنی جنہوں نے اللہ ہی کو واحد معبود مان کر اس کی عبادت اور اطاعت کی وہ اس سزا سے محفوظ ہوں گے۔

۱۱۳۔ یعنی الیاس کا۔

۱۱۴۔ الیاسین اور الیاس ایک ہی نام کے دو تلفظ ہیں جیسے طور سینا اور طورِ سینین۔

۱۱۵۔ لوط علیہ السلام کا قصہ متعدد سورتوں میں گزر چکا۔ یہاں قرآن نے اس واقعہ کی طرف اجمالی اشارہ کر کے مشرکین مکہ کو عبرت دلائی ہے۔

۱۱۶۔ یعنی لوط کے متعلقین کو جو ایمان لائے تھے عذاب سے بچالیا۔

۱۱۷۔ یہ حضرت لوط کی بیوی تھی جو ایمان نہیں لائی تھی اس لئے پیچھے رہ گئی اور عذاب کی لپیٹ میں آ گئی۔ مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۱۳۲۔

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾	۱۳۶ پھر باقی سب کو ہم نے ہلاک کر ڈالا۔ ۱۱۸ے
وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾	۱۳۷ اور تم ان کی (اجڑی ہوئی) بستیوں پر سے گزرتے ہو صبح کو بھی۔
وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾	۱۳۸ اور رات کو بھی ۱۱۹ے۔ پھر کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے!
وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾	۱۳۹ اور بے شک یونس بھی رسولوں میں سے تھا۔ ۱۲۰ے
اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾	۱۴۰ جب وہ بھاگ کر ایک بھری ہوئی کشتی میں جا پہنچا۔ ۱۲۱ے
فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾	۱۴۱ پھر (کشتی والوں نے) قرعہ ڈالا تو وہ اس میں مغلوب ہو گیا۔ ۱۲۲ے
فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾	۱۴۲ پھر مچھلی نے اسے نگل لیا ۱۲۳ے، اس حال میں کہ وہ (اپنے ہی کو) ملامت کر رہا تھا۔ ۱۲۴ے
فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾	۱۴۳ اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا۔ ۱۲۵ے
لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾	۱۴۴ تو لوگوں کے اٹھائے جانے کے دن تک وہ اس کے پیٹ میں رہتا۔ ۱۲۶ے
فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَاۗءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾	۱۴۵ پھر ہم نے اس کو ایک چٹیل زمین پر ڈال دیا اس حال میں کہ وہ نڈھال تھا۔ ۱۲۷ے
وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾	۱۴۶ اور ہم نے اس پر ایک بیلدار درخت اُگایا۔ ۱۲۸ے
وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾	۱۴۷ اور اس کو بھیجا ایک لاکھ سے بھی زیادہ لوگوں کی طرف۔ ۱۲۹ے
فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾	۱۴۸ وہ ایمان لائے لہٰذا ہم نے ایک وقت تک انہیں سامانِ زندگی دیا۔ ۱۳۰ے
فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾	۱۴۹ ان سے پوچھو کیا تمہارے رب کے لئے بیٹیاں ہیں اور ان کیلئے بیٹے! ۱۳۱ے
اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰۗىِٕكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾	۱۵۰ کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا ہے اور یہ اس کے شاہد ہیں؟ ۱۳۲ے
اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾	۱۵۱ سنو، یہ لوگ محض من گھڑت طور پر یہ بات کہہ رہے ہیں۔
وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾	۱۵۲ کہ اللہ کے اولاد ہے، اور یہ بالکل جھوٹے ہیں۔
اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾	۱۵۳ کیا اس نے بیٹوں کے بجائے بیٹیاں پسند کر لیں؟

۱۱۸۔ مراد حضرت لوط اور ان پر ایمان لانے والے متعلقین کو چھوڑ کر باقی سب لوگ ہیں یعنی ان سب کو جو کافر تھے تباہ کر دیا۔

۱۱۹۔ قومِ لوط کی اجڑی ہوئی بستیاں بحر مردار کے کنارہ تھیں جن کی طرف سے شام اور فلسطین کو جاتے ہوئے اہلِ مکہ کا گزر ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں تپتی دھوپ میں صحرا کا سفر کرنا مشکل تھا اس لئے لوگ بالعموم رات کو اور صبح کے ٹھنڈے وقت میں سفر کرتے تھے۔ اس مناسبت سے صبح اور رات کے وقت اس بستیوں پر سے گزرنے کا ذکر ہوا ہے۔ صبح کا ذکر اس لئے مقدم ہوا کہ ان اجڑی ہوئی بستیوں کا مشاہدہ صبح کے اجالے میں اچھی طرح کیا جا سکتا تھا۔

مزید تشریح کیلئے ملاحظہ ہو سورۂ حجر نوٹ ۷۵۔

۱۲۰۔ یونس علیہ السلام کے واقعہ کی تفصیلات کیلئے دیکھئے سورۂ یونس نوٹ ۱۴۷ ۔ اور سورۂ انبیاء نوٹ ۱۱۷ ، ۱۱۸۔

۱۲۱۔ حضرت یونس کو نینویٰ (عراق) کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تھا۔ ان کا زمانہ آٹھویں صدی قبل مسیح کا بتایا جاتا ہے انہوں نے جب دعوت پیش کی تو ان کی قوم نے انکار کیا۔

حضرت یونس کو جب ان کی طرف سے مایوسی ہوئی تو وہ برہم ہو کر وہاں سے نکل گئے اور غالباً فلسطین کا قصد کیا۔ اور سمندر کی راہ سے یافا پہنچنے کا ارادہ کیا ساحل پر انہیں ایک بھری ہوئی کشتی ملی اور وہ اس میں سوار ہو گئے۔

۱۲۲۔ کشتی سمندر کے بیچ ڈانوا ڈول ہونے لگی۔ ممکن ہے کسی طوفان کا سامنا بھی کرنا پڑا ہو۔ کشتی والوں نے بوجھ کو کم کرنا ضروری خیال کیا اور اس کے لئے قرعہ اندازی کی، کہ جس کا نام نکل آئے اس کو سمندر کے حوالہ کر دیا جائے۔ اتفاق سے حضرت یونس کا نام نکل آیا اور انہیں سمندر کے حوالہ کر دیا گیا۔

۱۲۳۔ اللہ نے ایسے اسباب پیدا کئے کہ ایک بڑی مچھلی نے انہیں نگل لیا۔ یہ وہیل یا شارک جیسی کوئی مچھلی رہی ہوگی۔

۱۲۴۔ 'مُلیم' کے معنی ملامت کرنے والے کے ہیں جس طرح مطیع کے معنی اطاعت کرنے والے اور منیب کے معنی رجوع کرنے والے کے ہیں۔ مطلب یہ کہ مچھلی نے جب حضرت یونس کو نگل لیا تو وہ اپنے قصور پر نادم تھے اور اپنے نفس کو ملامت کر رہے تھے۔

۱۲۵۔ جیسا کہ سورۂ انبیاء آیت ۸۷ میں گزر چکا حضرت یونس نے مچھلی کے پیٹ میں تسبیح کی اور یہ تسبیح تھی: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ پاک ہے تو میں قصور وار ہوں۔) اس تسبیح کی برکت سے ان کیلئے نجات کی راہ کھل گئی۔

اس سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ آدمی کسی سخت مصیبت میں پھنس گیا ہو تو اس بابرکت تسبیح کا ورد اس کی دعا کی قبولیت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

واضح رہے کہ حضرت یونس کے مُسَبِّحِین (تسبیح کرنے والوں) میں سے ہونے کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں تسبیح کی تھی بلکہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے ان بندوں میں سے تھے جو اسی کی عبادت کرنے والے اور اس کی پاکی بیان کرنے والے ہیں۔ اس وصف کے ساتھ انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں تسبیح کے کلمات ادا کئے تھے۔

۱۲۶۔ یعنی یہ اللہ کی تسبیح کی برکت تھی کہ مچھلی نے انہیں اگل دیا۔ ورنہ قیامت تک کیلئے مچھلی کا پیٹ ہی ان کا مدفن بن جاتا۔ آیت کے الفاظ اس مفہوم میں صریح نہیں ہیں کہ وہ قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہتے، بلکہ صرف اس معنی میں ہیں کہ وہ قیامت تک مچھلی کی پیٹ میں رہتے ۔۔۔ اور اللہ ہی اپنے کلام کے اسرار کو بخوبی جانتا ہے۔

۱۲۷۔ یعنی اللہ کے حکم سے مچھلی نے یونس (علیہ السلام) کو ساحل کے پاس اُگل دیا۔ یہ ساحلی علاقہ ایک چٹیل میدان تھا اور وہ سخت کمزور اور نڈھال ہو گئے تھے۔

۱۲۸۔ اللہ نے ان کی اس بے بسی کو دیکھتے ہوئے ان کو سہارا دیا اور اس چٹیل میدان میں معجزانہ طریقہ پر ان کے پاس بیلدار درخت اگایا جس نے سایہ کا کام دیا۔اس طرح بروقت انہیں سکون اور راحت ملی۔

۱۲۹۔ یعنی جب ان کی طبیعت بحال ہوئی تو اللہ نے انہیں حکم دیا کہ جاؤ اس بستی کی طرف جس کی آبادی ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔مراد نینوٰی شہر ہے جس کی آبادی اتنی کثیر تھی۔وہاں حضرت یونس کو اپنے دعوتی مشن کی تکمیل کیلئے دوبارہ بھیجا گیا۔

واضح ہوا کہ حضرت یونس سے جو قصور سرزد ہوا تھا وہ فرائض رسالت کے سلسلے میں تھا۔اور انہوں نے ارادۃً کوئی گناہ نہیں کیا تھا بلکہ ایک لغزش تھی جو ان سے سرزد ہوئی اور وہ بھی حمیتِ حق میں، لیکن اللہ کے نزدیک فرائض رسالت کی ادائیگی میں یہ کوتاہی کہ اللہ کے حکم کے بغیر اس بستی کو چھوڑ کر نکل جانا جس پر حجت قائم کرنے کیلئے اس نے اپنے رسول کو مامور کیا تھا سخت قابلِ گرفت بات تھی، اس لئے اس نے انہیں ایک سخت آزمائش میں ڈال دیا۔مگر جوں ہی انہیں اپنی لغزش کا احساس ہوا، اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ کی تسبیح میں وہ منہمک ہو گئے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں مصیبت سے نجات بخشی اور معجزانہ طور پر ان کی مدد کی۔اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ رسول اگرچہ معصوم ہوتا ہے یعنی وہ گناہ نہیں کرتا۔لیکن بشر ہونے کی بنا پر لغزش اس سے سرزد ہو سکتی ہے جس کی اللہ تعالیٰ بروقت اصلاح فرما دیتا ہے۔صرف اللہ ہی کی ذات ہے جس سے کوئی خطا نہیں ہوتی۔وہ پاک اور بے عیب ہے۔

۱۳۰۔ حضرت یونس جب واپس نینوٰی چلے گئے تو ان کی دعوت کو پوری قوم نے قبول کر لیا۔اور جب وہ ایمان لے آئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے نوازا اور دنیا میں انہیں برومند ہونے کا موقع عطا کیا۔

پوری قوم کے رسول پر ایمان لانے کی یہ واحد مثال ہے جو انبیائی تاریخ میں ملتی ہے۔اور اس کو سورۂ یونس کی آیت ۹۸ میں نمایاں طور پر پیش کیا گیا ہے۔

۱۳۱۔ مشرکین فرشتوں کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔اللہ کیلئے بیٹے تجویز کئے جائیں یا بیٹیاں، دونوں ہی سراسر نامعقول باتیں ہیں۔لیکن مشرکین عرب کا اللہ کیلئے بیٹیاں تجویز کرنا بڑی ہی بھونڈی بات تھی کیونکہ وہ لڑکیوں کو اپنے لئے باعثِ عار خیال کرتے تھے۔ان کے اسی بھونڈے پن کو ان پر واضح کرنے کیلئے ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ بتاؤ جب تم اپنے لئے بیٹیوں کو نہیں بلکہ بیٹوں کو پسند کرتے ہو تو اللہ کیلئے بیٹیاں کیوں تجویز کرتے ہو؟ جس چیز کو تم گھٹیا سمجھتے ہو اس کو اللہ کی طرف منسوب کرنے میں تمہیں کوئی تامل نہیں ہوتا؟ یہ ایک طنز ہے جس سے ان کے عقیدہ کی نامعقولیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

۱۳۲۔ یعنی ان لوگوں کو آخر معلوم کیسے ہو گیا کہ فرشتے عورتیں ہیں۔کیا یہ اس کے عینی شاہد ہیں؟

انہوں نے اللہ اور جنوں کے درمیان بھی نسب کا رشتہ
جوڑ رکھا ہے۔ اور جنوں کو معلوم ہے کہ وہ گرفتار کر کے
پیش کئے جانے والے ہیں۔ (القرآن)

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾	۱۵۴ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کیسا فیصلہ کرتے ہو!
اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾	۱۵۵ کیا تم سوچتے سمجھتے نہیں! ۱۳۳ے
اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾	۱۵۶ یا پھر تمہارے پاس واضح حجت ہے۔
فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾	۱۵۷ تو پیش کرو اپنی کتاب اگر تم سچے ہو۔ ۱۳۴ے
وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾	۱۵۸ انہوں نے اللہ اور جنوں کے درمیان بھی نسب کا رشتہ جوڑ رکھا ہے۔ اور جنوں کو معلوم ہے کہ وہ گرفتار کر کے پیش کئے جانے والے ہیں۔ ۱۳۵ے
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾	۱۵۹ .....اللہ پاک ہے ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں...... ۱۳۶ے
اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾	۱۶۰ بجز اللہ کے خاص بندوں کے۔ ۱۳۷ے
فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾	۱۶۱ پس تم اور وہ جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ ۱۳۸ے
مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾	۱۶۲ اس سے کسی کو برگشتہ نہیں کر سکتے۔
اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾	۱۶۳ مگر انہیں کو جو جہنم میں جانے والے ہیں۔ ۱۳۹ے
وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾	۱۶۴ اور ہم میں سے ہر ایک کا مقام مقرر ہے۔ ۱۴۰ے
وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّاۗفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾	۱۶۵ اور ہم صف بستہ رہنے والے ہیں۔ ۱۴۱ے
وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾	۱۶۶ اور ہم تسبیح کرنے والے ہیں۔ ۱۴۲ے
وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾	۱۶۷ یہ لوگ کہا کرتے تھے۔ ۱۴۳ے
لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾	۱۶۸ اگر ہمارے پاس اگلے لوگوں کی تعلیم ہوتی۔ ۱۴۴ے
لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾	۱۶۹ تو ہم اللہ کے خاص بندے ہوتے۔ ۱۴۵ے
فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾	۱۷۰ مگر انہوں نے اس کا انکار کر دیا تو وہ عنقریب جان لیں گے۔ ۱۴۶ے
وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾	۱۷۱ اور ہمارا فرمان ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کیلئے پہلے ہی صادر ہو چکا ہے۔ ۱۴۷ے
اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾	۱۷۲ کہ یقیناً ان کی مدد کی جائے گی۔ ۱۴۸ے
وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾	۱۷۳ اور ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر رہے گا۔ ۱۴۹ے
فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾	۱۷۴ تو ان کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا لو ایک وقت تک کیلئے۔ ۱۵۰ے

۱۳۳۔ یعنی ایک ایسی بات جو سراسر نامعقول ہے اللہ کی طرف کس طرح منسوب کرتے ہو؟ خدا پر اعتقاد کے معاملہ میں انسان کی اکثر گمراہیاں اس وجہ سے ہیں کہ وہ اللہ کی دی ہوئی عقل سے کام نہیں لیتا۔ اور ایسی باتوں کو آنکھیں بند کر کے قبول کر لیتا ہے جو صریحاً نامعقول ہوتی ہیں۔ قرآن اس پر سخت گرفت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ خدا پر اعتقاد کے معاملہ میں انسان کو ہوش سے کام لینا چاہئے اور کوئی بات اللہ کی طرف منسوب کرنے سے پہلے اس کی بخشی ہوئی عقل کی روشنی میں اسے پرکھنا چاہئے۔ اہل مذاہب اگر معقولیت کا ثبوت دیتے تو وہ اعتقادی گمراہیوں میں نہ پڑتے۔

۱۳۴۔ یعنی اگر تمہارے پاس کوئی نقلی دلیل ہے تو وہ پیش کرو۔ نقلی دلیل یہ کہ آسمانی کتاب میں خدا کے بارے میں کوئی بات کہی گئی ہو۔ مشرکین مکہ کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں تھی اور نہ کسی آسمانی کتاب میں فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا گیا ہے، لہٰذا مشرکین کا یہ اعتقاد نہ عقلی دلیل پر مبنی ہے اور نہ نقلی دلیل پر، بلکہ محض من گھڑت بات تھی جو اللہ کی طرف منسوب کر دی گئی تھی۔ مشرکین ہند کا دیویوں کا عقیدہ بھی اسی طرح جھوٹ اور باطل ہے کیونکہ اس کی تائید میں نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی۔

۱۳۵۔ عربوں کے بعض قبائل جنوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ خدا سے نسبی رشتہ رکھتے ہیں اس کی تردید کرتے ہوئے یہاں فرمایا گیا ہے کہ جن (یعنی شیاطین جن) تو قیامت کے دن گرفتار کر کے خدا کے حضور سزا کیلئے پیش کئے جانے والے ہیں۔ اور وہ خود اپنی حیثیت کو اچھی طرح جانتے ہیں مگر یہ مشرکین ان شیاطین جن کو خدائی کا مقام دے رہے ہیں۔

۱۳۶۔ یہ جملۂ معترضہ ہے جو مشرکین کے فاسد عقیدہ کی تردید کرتا ہے۔

۱۳۷۔ اس کا تعلق اوپر کی اس آیت سے ہے جس میں جنوں کو گرفتار کر کے پیش کئے جانے کی بات ارشاد ہوئی ہے۔ اس استثناء کا مطلب یہ ہے کہ جنوں میں جو اللہ کے مخلص بندے ہونگے وہ قیامت کے دن سزا کے لئے پیش نہیں کئے جائیں گے۔ جنوں میں جہاں اکثریت شیاطین کی ہے وہاں اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جو مؤمن اور صالح ہیں۔

۱۳۸۔ خطاب مشرکین سے ہے۔

۱۳۹۔ یعنی تم ان ہی لوگوں کو گمراہ کر سکتے ہو اور تمہارے یہ بت بھی ان ہی کی گمراہی کا باعث بن سکتے ہیں جنہوں نے جہنم کی راہ اختیار کی ہے۔ اللہ کے مخلص بندوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔

۱۴۰۔ یہ فرشتوں کا بیان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نقل فرمایا ہے۔ سورہ کے آغاز میں جو بات فرشتوں کے بارے میں بیان ہوئی تھی وہی بات ان کی اپنی زبانی ان چند آیتوں میں بیان ہوئی ہے۔

فرشتے کہتے ہیں ہم میں سے ہر ایک کا مقام متعین ہے۔ یعنی جس کو جس خدمت پر مامور کیا گیا ہے اس کو وہی خدمت انجام دینا ہے۔ عبادت کے سلسلے میں بھی اور دوسرے احکام کی بجا آوری کے سلسلہ میں بھی۔ مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کے محکوم بندے ہیں اور ہم میں سے جس کی جو ڈیوٹی مقرر کر دی گئی ہے اس کو انجام دینے میں وہ مشغول ہے۔

فرشتوں کے اس بیان سے مشرکین کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ وہ خدا کی بیٹیاں ہیں یا انہیں خدائی میں کوئی اختیار حاصل ہے۔

۱۴۱۔ یعنی ہم اللہ کی عبادت میں صفیں باندھ کر کھڑے ہونے والے ہیں۔ عبادت میں صفت بندی فرشتوں کی صف ہے جو اللہ کو نہایت پسند ہے۔ اسی لئے اسلام نے نماز باجماعت میں جو پانچ وقت ادا کی جاتی ہے صف باندھ کر کھڑے ہونے کا حکم دیا ہے۔

۱۴۲۔ یعنی ہم اللہ کی پاکی بیان کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ کی پاکی بیان کرنا نہایت اعلیٰ عبادت ہے جس میں فرشتے مشغول رہتے ہیں۔ یہاں

فرشتوں کا بیان ختم ہوا۔

۱۴۳۔ یعنی مشرکین مکہ کہا کرتے تھے۔

۱۴۴۔ یعنی جس طرح یہود و نصاریٰ کو آسمانی کتاب ملی۔ اس طرح اگر ہمیں کوئی آسمانی کتاب ملی ہوتی۔

۱۴۵۔ یعنی دعویٰ تو ان کا یہ تھا کہ اگر ہمیں کوئی آسمانی کتاب ملی ہوتی تو ہم اللہ کے خاص بندے بن گئے ہوتے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس کتاب (قرآن) بھیجی تو وہ اس کے منکر ہو گئے۔

۱۴۶۔ یعنی بہت جلد انہیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا۔

۱۴۷۔ یعنی رسولوں سے اللہ کا یہ وعدہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔

۱۴۸۔ رسول کو کتنی ہی آزمائشوں سے گزرنا پڑے اللہ کی نصرت اسی کے ساتھ ہوتی ہے۔ چنانچہ رسول کی بات ہمیشہ بلند رہتی ہے اور اس کو عزت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی حجت دل و دماغ کو مسخر کر لیتی ہے اور جب حق و باطل کا مقابلہ ہوتا ہے تو حق جو ہمیشہ رسول کے ساتھ ہوتا ہے غالب آجاتا ہے۔

۱۴۹۔ رسول کا ساتھ دینے والے اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لشکر سے تعبیر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ بالآخر یہی لشکر غالب رہنے والا ہے اور انبیائی تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے۔ چنانچہ فرعون کے مقابلہ میں فتح بنی اسرائیل ہی کی ہوئی۔ دوسرے رسولوں کے معاملہ میں بھی یہی ہوا کہ ان کے مخالفین تباہ کر دیئے گئے اور اہلِ ایمان ہی بچا لئے گئے اور بالآخر اقتدار ان ہی کو حاصل ہوا۔ نبی ﷺ کے بارے میں بھی قرآن کی یہ بات حرف بحرف پوری ہوئی، اہل ایمان ہی کا لشکر بالآخر کفار پر غالب آ گیا اور سرزمین عرب پر اسلام کی حکمرانی قائم ہو گئی۔

۱۵۰۔ یعنی وہ جب انکار ہی پر تلے ہوئے ہیں تو ان کو ایک وقت تک کیلئے ان کے حال پر چھوڑ دو۔

پاک ہے تمہارا رب، رب العزۃ، ان باتوں
سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ (القرآن)

وَّاَبۡصِرۡهُمۡ فَسَوۡفَ يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷۵﴾

۱۷۵ اور دیکھتے رہو۱۵۱۔ وہ بھی عنقریب دیکھ لیں گے۔۱۵۲۔

اَفَبِعَذَابِنَا يَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴿۱۷۶﴾

۱۷۶ کیا وہ ہمارے عذاب کیلئے جلدی مچا رہے ہیں؟

فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمۡ فَسَآءَ صَبَاحُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ ﴿۱۷۷﴾

۱۷۷ جب وہ ان کے صحن میں اترے گا تو بہت بری ہوگی ان لوگوں کی صبح جن کو اس سے خبردار کیا جا چکا ہے۔۱۵۳۔

وَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ حَتّٰى حِيۡنٍ ﴿۱۷۸﴾

۱۷۸ تو ان کی طرف سے توجہ ہٹا لو ایک وقت تک کیلئے۔

وَّاَبۡصِرۡ فَسَوۡفَ يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷۹﴾

۱۷۹ اور دیکھتے رہو وہ بھی عنقریب دیکھ لیں گے۔

سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ﴿۱۸۰﴾

۱۸۰ پاک ہے تمہارا رب، رب العزۃ ۱۵۴، ان باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں ۱۵۵۔

وَسَلٰمٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۱۸۱﴾

۱۸۱ اور سلام ہے پیغمبروں پر۔۱۵۶۔

وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۸۲﴾

۱۸۲ اور حمد ہے اللہ رب العالمین کیلئے۔۱۵۷۔

۱۵۱۔ یعنی انجام کا انتظار کرو۔

۱۵۲۔ یعنی ان کو بہت جلد اپنے بُرے انجام سے دوچار ہونا ہوگا چنانچہ اس کے کچھ عرصہ بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا اور اہلِ ایمان کے ہاتھوں کافروں کو موت کے گھاٹ اترنا پڑا یہاں تک کہ ان کا بالکل قلع قمع ہوگیا۔

۱۵۳۔ جنگ بدر بھی صبح کے وقت ہوئی تھی جس میں اہلِ ایمان کی تلوار کافروں پر عذاب بن کر نازل ہوئی تھی اور فتح مکہ کا واقعہ بھی صبح ہی کے وقت کا ہے، جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس ہزار لشکر کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے اور کعبہ کو اپنے قبضہ میں لے کر مسجدِ حرام میں قیام پذیر ہوگئے اور وہاں سے کافروں کو گرفتار کرنے اور ان کو قتل کرنے کے احکام جاری کئے۔ اس طرح اللہ کا عذاب اہلِ ایمان کی تلوار کی شکل میں مکہ کے کافروں پر نازل ہوا اور یہ صبح ان کیلئے بہت بری صبح ثابت ہوئی۔ اس طرح قرآن کی بات حرف بحرف پوری ہوئی۔

۱۵۴۔ 'رب العزۃ' کے معنی ہیں غلبہ والا، صاحبِ اقتدار اور رفعت والا۔

۱۵۵۔ یعنی ان تمام نقائص، عیوب اور کمزوریوں سے جو مشرکین اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

۱۵۶۔ یعنی تمام پیغمبروں کیلئے اللہ کے پاس امن وسلامتی ہے وہ ہر آفت سے محفوظ ہیں اور اس بات کے مستحق ہیں کہ اہلِ ایمان کی زبان پر ان کیلئے سلام کے دعائیہ کلمات ہوں۔ سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ۔

۱۵۷۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اللہ نے اپنے رسولوں کی جس طرح نصرت فرمائی ہے اور ان کیلئے آزمائشیں جس طرح ان کے درجات کی بلندی کا باعث ہوئیں اس پر یقیناً وہ تعریف اور شکر کا مستحق ہے۔
حمد کی تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ فاتحہ نوٹ ۲۔